سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ ترجمان القرآن

[redacted]

[redacted]

ماہنامہ
ترجمان القرآن

مدیر: خورشید احمد
نائب مدیر: مسلم سجاد

جلد ۱۲۴ | اپریل ۱۹۹۷ء، ذوالحجہ ۱۴۱۷ | عدد ۴

ترتیب

○ اشارات
پاک بھارت تعلقات اور مسئلہ کشمیر — خورشید احمد — ۳
○ حکمت مودودیؒ
جمہوریت اور ملوکیت — ۱۷
○ فہم قرآن
قرآن میں ابتلا و آزمایش کا فلسفہ — ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی — ۲۱
○ تزکیہ و تربیت
نفس کے فریب — ابو الحسن علی ندوی — ۳۱
خرم مرادؒ کی وصیت — ۳۵
○ مطالعہ کتاب
لوح ایام: انقلاب ایران کا پس منظر و پیش منظر — رفیع الدین ہاشمی — ۵۳
○ عالم اسلام
ترکی: سیکولرازم کے بچاؤ کے لیے آخری وار کی تیاری — مسلم سجاد — ۵۹
○ دعوت و تحریک
یورپ میں دعوت دین کے تقاضے — ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی — ۶۵
○ رسائل و مسائل — ۷۱
○ کتاب نما — ۷۹
○ مدیر کے نام — ۸۳

ادارتی امور

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور ۵۴۵۷۰
فون: ۷۸۴۳۶۰۵
فیکس: ۷۸۳۲۱۹۴

انتظامی امور

۵ - اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور
فون: ۷۵۸۷۹۱۶ - ۷۵۸۵۵۹۰

☆

قیمت فی شمارہ ۱۵ روپے
زرسالانہ ۱۵۰ روپے
مشرق وسطیٰ ۵۵۰ روپے
بنگلہ دیش، مسقط ۴۵۰ روپے
بھارت ۳۰۰ روپے
یورپ، مشرق بعید ۶۵۰ روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ۹۰۰ روپے
بنک ڈرافٹ
بنام ماہنامہ ترجمان القرآن ارسال فرمائیں

۶۰ سال پہلے

(۱) تفسیر آیہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ' (۲) وصیت رسولؐ ' (۳) مسلمانوں پر ایک نظر: یہ تینوں رسائل مولوی سید ابو الحسن علی صاحب' معلم دار العلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کی تالیف ہیں۔ پہلے رسالے میں مولف نے تکمیل دین کے معنی سمجھائے ہیں۔ تکمیل دین کے معنی یہ ہیں کہ خدا کو جو کچھ ہدایت دینی تھی اور بندوں کو دین و دنیا کی بہتری کے لیے جس ہدایت کی ضرورت تھی وہ پوری کی پوری دے دی گئی۔ اب اس میں نہ کچھ گھٹانے کی ضرورت ہے نہ بڑھانے کی۔ مسلمان اگر فلاح پا سکتے ہیں تو دین کی پوری تعلیم پر اعتقاد رکھ کر اور عمل کر کے ہی پا سکتے ہیں۔ کمی کریں گے تب بھی نقصان اٹھائیں گے اور زیادتی کریں گے تب بھی نقصان اٹھائیں گے--- دوسرے رسالے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیتیں جمع کی گئی ہیں اور مسلمانوں کو توجہ دلائی گئی ہے کہ اگر تم کو سرکار سے محبت ہے تو ان وصیتوں کو پورا کرو۔

تیسرے رسالے میں مولف نے بتایا ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کو دیکھ کر قلب پر تین اثر پڑتے ہیں۔ پہلی نظر میں مسرت ہوتی ہے کہ یا تو امت کبھی ہزاروں کی تعداد میں تھی' یا اب کروڑوں تک پہنچ چکی ہے اور روے زمین کے گوشے گوشے میں پہنچی ہوئی ہے۔ دوسری نظر میں حیرت طاری ہو جاتی ہے کہ یا تو اس قلیل اور بے سروسامان گروہ کی سطوت کا وہ عالم تھا' یا اب اس عظیم الشان قوم کی کمزوری اس حد کو پہنچ گئی ہے۔ تیسری نظر میں دل پر حسرت چھا جاتی ہے کہ کاش ان بے کار کروڑوں کے بجائے وہی کار آمد ہزاروں اس قوم میں ہوتے۔ تین پیسے کے ٹکٹ بھیج کر تینوں رسائل مفت طلب کیے جا سکتے ہیں۔

دعائیں: تالیف مولوی ابو الحسن علی صاحب۔ ضخامت: ۳۲ صفحات۔ قیمت ۲ آنے۔

اس رسالے میں مولف نے قرآن مجید اور احادیث نبویؐ سے دعائیں جمع کی ہیں اور ہر دعا کے مقابل اس کا ترجمہ دے دیا ہے--- علاوہ بریں دعا اس نصب العین اور مطمح نظر پر بھی روشنی ڈالتی ہے جو دعا مانگنے والے کے پیش نظر ہو کہ انسان جس قدر بلند خیال اور پاکیزہ خود ہو گا ویسی ہی بلند اور پاک اس کی حاجتیں بھی ہوں گی' اور انھی حاجتوں کا اظہار وہ اپنی دعا میں کرے گا۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جو دعائیں ہم کو سکھائی ہیں' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے مختلف احوال میں اٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے جو دعائیں اپنے خدا سے مانگی ہیں وہ ایک طرف ہم کو یہ بتاتی ہیں کہ مسلمان کس طرح ہر ہر معاملے میں خدا کی طرف رجوع کرتا ہے' اور دوسری طرف یہ تعلیم ہم کو دیتی ہیں کہ ایک سچے مسلمان کے مقاصد حیات کیا ہیں اور اس کی نگاہ میں کیا چیزیں اہمیت رکھتی ہیں جن کو وہ اپنے مولیٰ کی مدد سے حاصل کرنا چاہتا ہے۔

(مطبوعات' جلد ۱۰' عدد ۲' اپریل ۱۹۳۷' صفر ۱۳۵۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

پاک بھارت تعلقات اور مسئلہ کشمیر

خورشید احمد

پاکستان اور بھارت کی سیاسی قیادت میں ایک طویل تعطل کے بعد مذاکرات کا ایک نیا دور شروع ہونے والا ہے۔ ابتدائی گفتگو مارچ ۱۹۹۷ کے آخری ایام میں وزارت خارجہ کے سیکریٹریوں کی سطح پر ہو گی' پھر وزراے خارجہ مصروف تکلم ہوں گے اور بالآخر دونوں ملکوں کے وزراے اعظم بات چیت شروع کریں گے۔ توقع ظاہر کی جا رہی ہے کہ نصف صدی سے دونوں ملکوں کے تعلقات میں جو یخ بستگی کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے اس میں اس پچاسویں سال میں پاکستان میں جناب نواز شریف کی نئی حکومت کے سفارتی تحرک اور جنوبی ایشیا کے بارے میں امریکہ کی نئی دلچسپیوں کے پس منظر میں تبدیلی رونما ہو گی اور شاید برف کے پگھلنے کا کوئی سامان پیدا ہو جائے۔ ابتدائی خط و کتابت اور بیانات سے جو صورت حال سامنے آ رہی ہے وہ بظاہر حوصلہ افزا نہیں لیکن اس کے باوجود اس سفارتی عمل کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا--- اپنے مثبت امکانات اور منفی پیغامات دونوں ہی لحاظ سے! اس لیے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اس نازک تاریخی موقع پر قوم اور اس کی قیادت کے سامنے ان پہلوؤں کو کھول کر رکھ دیں جن کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے اور جن کی کسوٹی پر اس سفارتی عمل کی کامیابی یا ناکامی کو پرکھا جائے گا۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ سیاست ہو یا سفارت' دونوں ہی میں مذاکرات کو بڑی اہمیت حاصل ہے بلکہ شاید یہ کہنا بھی غلط نہ ہو کہ معاملہ جنگ کا ہو یا امن کا' بالعموم آخری فیصلے مذاکرات کی میز ہی پر ہوتے ہیں' اس لیے مذاکرات سے الرجک ہونا کسی طور بھی صحیح حکمت عملی نہیں' البتہ جس بات کو اہمیت حاصل ہے وہ محض مذاکرات نہیں بلکہ وہ پس منظر ہے جس میں مذاکرات منعقد ہوتے ہیں' وہ اہداف ہیں جن کے حصول کے لیے یہ عمل برپا کیا جاتا ہے' وہ حکمت عملیاں ہیں جن کے تحت مسائل کے حل کی راہیں تلاش کی جاتی ہیں۔ نیز اپنے مقاصد اور اہداف کا صحیح شعور اور ادراک' اپنے اور مخالف کے کیس کے بارے

میں پوری تیاری' بات چیت میں صحیح ترجیحات کا تعین' قومی امنگوں کا بھرپور احساس' مخالف فریق کی تاریخ' اس کی نفسیات' اس کے عزائم اور ترجیحات اور اس کے طریق واردات پر مکمل عبور اور سفارت کاری کی چالوں اور چابک دستیوں کو سمجھنے اور ان کا موثر توڑ کرنے کی صلاحیت--- یہ وہ امور ہیں جن کو فیصلہ کن اہمیت حاصل ہے۔ اور یہی وہ پہلو ہیں جن کی طرف ہم پاکستان کی موجودہ قیادت کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ بھارت کی قیادت سے معاملہ کرتے وقت وہ ملت اسلامیہ پاکستان کے حقیقی مفادات اور اسٹرے ٹیجک ترجیحات کا مکمل تحفظ کر سکیں اور ہر اس جال سے پوری ہوشیاری کے ساتھ بچ سکیں جس میں بھارت کی قیادت یا امریکہ کے سیاست کار اسے پھنسانا چاہتے ہیں۔ ان امور پر قومی سطح پر بحث و گفتگو اور پارلیمنٹ اور قوم کو اعتماد میں لینا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا سفارت کاری میں پیش قدمی۔ اس امر کی ضرورت اس لیے اور بھی بڑھ گئی ہے کہ پاکستان کی موجودہ سیاسی قیادت کو بھارت اور اس کی قیادت سے معاملہ کرنے کا وسیع تجربہ حاصل نہیں ہے۔ ہمارے ارباب اقتدار او دفتر خارجہ کے اہل کار اب اس نسل کے تجربے سے محروم ہو چکے ہیں جس نے تحریک آزادی کے دوران ہندو قیادت سے داؤ پیچ کیا تھا اور اس کے مزاج سے واقف تھی۔ بھارت کی ٹیم میں اب بھی پرانے گھاگ موجود ہیں اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہماری مذاکراتی ٹیم' وزارت خارجہ سے وزیراعظم کے معاونین تک اپنا ہوم ورک پوری محنت سے کرے اور ان لوگوں سے بھرپور استفادہ کرے جو اس راہ کے نشیب و فراز سے واقف اور اس بحر کے غوطہ زن ہیں۔

بھارت سے مذاکرات کوئی نئی چیز نہیں ہیں۔ تحریک پاکستان کی قیادت نے انگریز اور ہندو دونوں ہی سے مذاکرات کی طویل لڑائیاں لڑی ہیں۔ پھر قیام پاکستان کے بعد بھی مذاکرات کے کئی دور ہوئے جن میں لیاقت نہرو مذاکرات' ایوب نہرو مذاکرات' ایوب شاستری مذاکرات' بھٹو بلدیو سنگھ مذاکرات' بھٹو اندرا مذاکرات' ضیا راجیو مذاکرات' بے نظیر راجیو مذاکرات' اپنے اپنے اعتبار سے اہم ہیں۔ میاں نواز شریف کو بھی اپنے پہلے دور اقتدار میں وی پی سنگھ اور چندر شیکر سے بات چیت کا موقع ملا ہے۔ اس سلسلہ کی آخری کوشش جنوری ۱۹۹۴ میں ڈکسٹ شہریار بات چیت تھی جس کے بعد یہ سلسلہ عملاً ختم ہو گیا اور اس کی بنیادی وجہ بھارت کا طے شدہ امور پر عمل کرنے سے انکار اور کشمیر کے معاملہ پر بات چیت سے اغماز تھا۔

اس وقت جس پس منظر میں بات چیت کا آغاز ہو رہا ہے اسے متعین طور پر سامنے رکھنا بے حد ضروری ہے۔ اس سلسلے کی پہلی اور شاید سب سے اہم چیز وہ عالمی صورت حال ہے جو اشتراکیت کے زوال' روسی ایمپائر کی شکست و ریخت اور سرد جنگ کے خاتمے کی بنا پر پیدا ہوئی ہے جس میں امریکہ واحد سوپر پاور کی حیثیت سے نئے عالمی دروبست کی تشکیل کے لیے کوشاں ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بھارت کا روس سے

گہرا تعلق تھا اور غیر وابستگی کی نام نہاد سیاست (politics of non-alignment) کے باوجود سیاسی، معاشی اور عسکری اعتبار سے روس ہی بھارت کا سب سے بڑا اور موثر حلیف تھا۔ لیکن حالیہ تبدیلی کے بعد بھارت نے اپنی عالمی سفارت کاری میں نئی راہیں تلاش کرنے کی کوششیں کی ہیں اور اب امریکہ اور چین دونوں سے اس نے نئے تعلقات استوار کرنے کا عمل شروع کر دیا ہے۔ نیز امریکہ نے بھی بھارت سے نئے اسٹرے ٹیجک روابط کا آغاز کر دیا ہے اور چین کے مقابلے میں ایک علاقائی طاقت کی حیثیت سے اس کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے۔ تجارت، معیشت اور سرمایہ کاری کے میدان میں نیا تعاون شروع ہو چکا ہے۔ اسلحہ کی خرید و فروخت کا باب بھی کھل گیا ہے اور نیوکلیر پالیسی پر اختلاف کرنے کے باوجود بھارت اور امریکہ میں قرب اور تعاون میں برابر اضافہ ہو رہا ہے حتیٰ کہ امریکہ کے دانشور اور سیاست کار (ہنری کسنجر سمیت) بھارت کو سیکیورٹی کونسل میں مستقل نشست (جس کے ساتھ ویٹو کا اختیار وابستہ ہے) تک دلانے کے لیے سرگرم ہیں۔ کشمیر کا مسئلہ اور بھارت اور پاکستان کے تعلقات میں تناؤ بھارت کے اس نئے رول میں ایک رکاوٹ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ کئی سال سے امریکی سوچ بچار کرنے والے ادارے (think tanks) اور کانگریس کے ارکان اور کیٹیاں مختلف قسم کے initiatives لے رہے ہیں اور تجاویز کے تانے بانے درست کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں امریکہ نے پاکستان سے اپنی دیرینہ دوستی اور معاہدات کا بھی کوئی لحاظ نہیں کیا اور نئی "محبتوں" کی تلاش میں بے وفائی اور ہرجائی پن کا مظاہرہ کرنے میں بھی کوئی شرم محسوس نہیں کی!

اس وقت امریکہ کا سارا زور اس پر ہے کہ کشمیر کے مسئلے کو، جو بھارت اور پاکستان کے تعلقات کے بارے میں شاہ کلید کی حیثیت رکھتا ہے، تقریباً سرد خانے میں ڈال دیا جائے اور دونوں کو اعتماد بحال کرنے (confidence building) اور جزوی مسائل (peripheral issues) پر تعاون کی حکمت عملی اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے۔ یہ کوئی نئی کوشش نہیں ہے۔ امریکہ نے یہی راستہ فلسطین کے مسئلے کے بارے میں اختیار کیا اور اب یہی حکمت عملی کشمیر پر آزمائی جا رہی ہے، بلالحاظ اس امر کے کہ پاکستان اور بھارت کے سلسلے میں یہ کوئی نئی حکمت عملی نہیں ہے۔ ۱۹۶۶ میں تاشقند میں بھی اس حکمت عملی کو اختیار کیا گیا تھا اور پھر ۱۹۷۲ میں شملہ معاہدہ بھی اسی حکمت عملی کا شاہکار تھا لیکن دونوں برف کو پگھلانے اور مسائل کے حل کی کوئی راہ روشن کرنے میں ناکام رہے۔ اسی آزمائے ہوئے نسخہ کو ایک بار پھر نیا لباس پہنا کر ہم پر مسلط کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

بھارت اور امریکہ دونوں ہی اس کے مدعی ہیں۔ مسز رابن رافیل گذشتہ چند سالوں میں بار بار اس کا اعادہ کر چکی ہیں اور اس کا تازہ ترین اظہار امریکی ایوان نمایندگان کی سب کمیٹی برائے ایشیا پیسی فِک کے

سامنے ۱۲ مارچ کو کیا گیا ہے۔ اس کمیٹی کے سامنے ان کی ہم نوائی پاکستان میں امریکہ کے سابق سفیر رابرٹ اوکلے، نیشنل ڈیمو کریٹک انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر برائے ایشیا' ایرک بوم لینڈ اور جارج ٹاؤن یونیورسٹی کے ادارہ برائے مطالعہ سفارت کاری کے ڈائرکٹر ہوورڈ بی شیفر نے بھی کیا ہے۔ انھی خطوط پر مشہور دانشور اسٹیفن کوہن کئی سال سے لکھ رہا ہے اور حال ہی میں (فروری ۱۹۹۷) کونسل آف فورن ریلیشنز کی ایک ٹاسک فورس کی رپورٹ "بھارت اور پاکستان کے لیے ایک نئی امریکی پالیسی" (A new U.S. policy toward India and Pakistan) شائع ہوئی ہے جس کا واضح پیغام بھی اسی سمت ہے۔ اور اس ٹاسک فورس میں امریکہ کے چوٹی کے سولہ دانشور سفرا اور ماہرین شریک تھے۔ اس سب پر سونے کا سہاگہ وہ بیانات ہیں جو بھارت میں امریکہ کے سفیر فرینک وائزنر مسلسل دے رہے ہیں اور جن میں اقوام متحدہ کی قراردادوں کو "قصۂ پارینہ" اور استصواب کے سوال کو "بے معنی بات" (meaningless) قرار دیا جا رہا ہے اور ذہنوں کو کسی sell-out اور کسی تقسیم ریاست کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔ موصوف یہ گل افشانیاں بھارت کی زمین پر اور کشمیر کی وادیوں میں نہیں کر رہے بلکہ ان کی جسارت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ خود پاکستان میں بلکہ فوجی اسٹاف کالج میں (واضح رہے فوجی کالج میں اس بات کا اظہار خاص معنویت رکھتا ہے) ہمیں یہ وعظ سنا گئے ہیں اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

ایک طرف امریکہ کی یہ سفارتی یلغار ہے تو دوسری طرف بڑے سوچے سمجھے انداز میں فاروق عبداللہ صاحب نے یہ پتھر پھینکا ہے کہ لائن آف کنٹرول کو بین الاقوامی سرحد بنا کر کشمیر کو تقسیم کر لیا جائے۔ پہلے تو بھارت کی قیادت کی طرف سے اس پر برہمی کا اظہار ہوا لیکن جلد ہی بلی تھیلے سے باہر آ گئی اور اب بھارتی فوج کے تین سابق سربراہوں نے کھل کر کشمیر پر اس چھری چلانے کی تائید کر دی ہے اور اشارے یہ بھی دیے ہیں کہ خود شملہ معاہدہ کا اصل ہدف تقسیم ہی کی کوئی تجویز تھی۔ اس حقیقت کو یکسر نظرانداز کیا جا رہا ہے کہ پچاس سال سے ساری تحریک اور خصوصیت سے پچھلے آٹھ نو سال کی عوامی' سیاسی اور جہادی تحریک مقبوضہ کشمیر کو بھارت کے ناجائز تسلط سے آزادی دلانے کے لیے ہے جس کے لیے ہزاروں نوجوان اپنی جانوں کا اور ہزاروں عفت مآب دختران کشمیر اپنی عزت و آبرو کا نذرانہ پیش کر چکی ہیں۔ مسئلہ کسی سرحد کے تعین کا نہیں' پوری ریاست کے مستقبل کا ہے اور اس سے اب کوئی فرار ممکن نہیں۔ ان شاء اللہ!

اس پس منظر میں جو چیز تشویش کا باعث ہے وہ پاکستان کی قیادت کی طرف سے مذاکرات کے باب میں بے چینی کا اظہار ہے حالانکہ وقت کا تقاضا احتیاط اور پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہے۔ الیکشن کی مہم کے دوران بھی اس بات کو محسوس کیا گیا تھا کہ جناب نواز شریف اور مسلم لیگ کی قیادت نے ان تمام امور کو جو بھارت اور پاکستان میں تنازعہ کا باعث ہیں بڑی کم اہمیت دی جب کہ بھارت سے دوستی اور تعلقات کی بحالی

۶۰ سال پہلے

(۱) تفسیر آیہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ، (۲) وصیت رسولؐ، (۳) مسلمانوں پر ایک نظر: یہ تینوں رسائل مولوی سید ابو الحسن علی صاحب، معلم دار العلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کی تالیف ہیں۔ پہلے رسالے میں مولف نے تکمیل دین کے معنی سمجھائے ہیں۔ تکمیل دین کے معنی یہ ہیں کہ خدا کو جو کچھ ہدایت دینی تھی اور بندوں کو دین و دنیا کی بہتری کے لیے جس ہدایت کی ضرورت تھی وہ پوری کی پوری دے دی گئی۔ اب اس میں نہ کچھ گھٹانے کی ضرورت ہے نہ بڑھانے کی۔ مسلمان اگر فلاح پا سکتے ہیں تو دین کی پوری تعلیم پر اعتقاد رکھ کر اور عمل کر کے ہی پا سکتے ہیں۔ کمی کریں گے تب بھی نقصان اٹھائیں گے اور زیادتی کریں گے تب بھی نقصان اٹھائیں گے۔۔۔ دوسرے رسالے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیتیں جمع کی گئی ہیں اور مسلمانوں کو توجہ دلائی گئی ہے کہ اگر تم کو سرکار سے محبت ہے تو ان وصیتوں کو پورا کرو۔

تیسرے رسالے میں مولف نے بتایا ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کو دیکھ کر قلب پر تین اثر پڑتے ہیں۔ پہلی نظر میں مسرت ہوتی ہے کہ یا تو امت کبھی ہزاروں کی تعداد میں تھی، یا اب کروڑوں تک پہنچ چکی ہے اور روے زمین کے گوشے گوشے میں پہنچی ہوئی ہے۔ دوسری نظر میں حیرت طاری ہو جاتی ہے کہ یا تو اس قلیل اور بے سروسامان گروہ کی سطوت کا وہ عالم تھا، یا اب اس عظیم الشان قوم کی کمزوری اس حد کو پہنچ گئی ہے۔ تیسری نظر میں دل پر حسرت چھا جاتی ہے کہ کاش ان بے کار کروڑوں کے بجائے وہی کار آمد ہزاروں اس قوم میں ہوتے۔ تین پیسے کے ٹکٹ بھیج کر تینوں رسائل مفت طلب کیے جا سکتے ہیں۔

دعائیں: تالیف مولوی ابو الحسن علی صاحب۔ ضخامت: ۳۲ صفحات۔ قیمت ۲ آنے۔

اس رسالے میں مولف نے قرآن مجید اور احادیث نبویؐ سے دعائیں جمع کی ہیں اور ہر دعا کے مقابل اس کا ترجمہ دے دیا ہے۔۔۔ علاوہ بریں دعا اس نصب العین اور مطمع نظر پر بھی روشنی ڈالتی ہے جو دعا مانگنے والے کے پیش نظر ہو کہ انسان جس قدر بلند خیال اور پاکیزہ خود ہو گا ویسی ہی بلند اور پاک اس کی حاجتیں بھی ہوں گی، اور انھی حاجتوں کا اظہار وہ اپنی دعا میں کرے گا۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جو دعائیں ہم کو سکھائی ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے مختلف احوال میں اٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے جو دعائیں اپنے خدا سے مانگی ہیں وہ ایک طرف ہم کو یہ بتاتی ہیں کہ مسلمان کس طرح ہر ہر معاملے میں خدا کی طرف رجوع کرتا ہے، اور دوسری طرف یہ تعلیم ہم کو دیتی ہیں کہ ایک سچے مسلمان کے مقاصد حیات کیا ہیں اور اس کی نگاہ میں کیا چیزیں اہمیت رکھتی ہیں جن کو وہ اپنے مولیٰ کی مدد سے حاصل کرنا چاہتا ہے۔

(مطبوعات، جلد ۱۰، عدد ۲، اپریل ۱۹۳۷ء، صفر ۱۳۵۶ھ)

دیکھ مسجد میں شکست رشتہ تسبیح شیخ
بتکدے میں برہمن کی پختہ زُناری بھی دیکھ

بلاشبہ یہ پس منظر مذاکرات کے لیے نیک شگون کی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس پر پاکستان کے عوام اور سوچنے سمجھنے والے عناصر مضطرب ہیں اور تشویش کا اظہار کرتے ہیں۔ نوائے وقت، جنگ، دی مسلم اور دی نیشن سب ہی نے اپنے ادارتی کالموں میں تشویش کا اظہار کیا ہے جو قوم کے حقیقی جذبات کا آئینہ ہے۔ صرف ایک اقتباس:

"دراصل ہمارے ہاں ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جس کی حب الوطنی تو شک و شبہ سے بالاتر ہو گی مگر وہ معاملات کو قومی غیرت اور وقار کے بجائے نفع و نقصان کے حوالے سے دیکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھارت کے ہائی کمشنر تو مسئلہ کشمیر کو بھلا کر تجارت کی بات کر رہے ہیں لیکن ساتھ ہی وہ یہ مطالبہ بھی کر رہے ہیں کہ ان کے ملک کو انتہائی پسندیدہ قوم (most favoured nation) قرار دیا جائے۔ گویا کشمیری عوام پر ظلم و ستم، ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت، جنگ کی دھمکیاں اور "را" کی طرف سے دہشت گردی اور تخریب کاری کی ساری کارروائیاں بھول کر ہم اپنے ازلی دشمن ملک کو دوست تسلیم کریں تاکہ وہ "دوستی" کے سارے تقاضے پورے کر سکے۔ ان حالات میں ہمارے وزیر تجارت کو جوش جوانی میں ایسی بات نہیں کرنی چاہیے جو قوم اور کشمیری عوام کے جذبات کو ٹھیس پہنچانے کا باعث بنے۔ بھارت اگر مقبوضہ کشمیر میں استصواب رائے کے بجائے آزاد کشمیر پر نظر جمائے ہوئے ہے اور وہ اسے بھی ہم سے "آزاد" کرانے کا تہیہ کر چکا ہے تو پھر ہم اس خوش فہمی کا شکار کیوں ہیں کہ اس سال مسئلہ کشمیر حل کر کے ہم تجارت کے لیے سرحدیں کھول دیں گے اور ویزے کی پابندی بھی برقرار نہیں رہنی چاہیے۔

"دراصل بھارت میں اب تک گھاگ سیاست دان برسر اقتدار ہیں جو اپنے روایتی مگر غلط موقف سے ایک انچ پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں۔ وہ پوری دنیا کو اپنے غلط موقف کے باوجود اپنا ہمنوا بنانے یا کم از کم پاکستان کی اصولی حمایت ترک کرنے کے لیے کوشاں ہیں مگر ہم اپنے صحیح موقف کے باوجود اپنی اندرونی کمزوریوں کی وجہ سے دوستی کے لیے مرے جا رہے ہیں۔ آخر جلد بازی کی وجہ کیا ہے۔ اگر امریکی دباؤ ہے تو اس کے بارے میں عوام کو اعتماد میں لیا جائے۔ پارلیمنٹ کا اجلاس بلا کر سیر حاصل بحث کی جائے اور جس طرح بھارتی وزیر دفاع نے اپنے عوامی نمایندوں کے سامنے موقف بیان کیا ہے اسی طرح قوم کو آگاہ کیا جائے۔ مسئلہ کشمیر، ایٹمی پروگرام، اقتصادی و معاشی حکمت عملی اور امن و امان کے مسائل حکومت کی فوری توجہ چاہتے ہیں۔ گوڑا صاحب کو ملنے کی بھی کوئی جلدی نہیں ہونی چاہیے کیونکہ بے مقصد ملاقات اور مذاکرات سے کشمیری عوام کی حوصلہ شکنی ہو گی۔ میاں صاحب اپنی کابینہ میں ایسے لوگ شامل کریں جو کم از کم مختلف ایشوز پر قومی

موقف اور اس کی نزاکتوں کا ادراک رکھتے ہوں۔ صرف مادی نفع و نقصان کے حوالے سے سوچنے والی قومیں عزت و وقار سے زندہ نہیں رہ سکتیں۔ نظریہ اور اصول ہی قوم کی اصل اساس ہوتے ہیں۔ ہمیں مسئلہ کشمیر پر موقف میں کوئی لچک پیدا نہیں کرنی چاہیے اور اس کے حل پر آمادگی کے بغیر بھارت سے تجارت کے بارے میں سوچنا نہیں چاہیے۔

(نوائے وقت' اداریہ: "بھارت کے عزائم اور ہماری ناپختہ کاری" ۷ مارچ ۹۷ء)

بھارت اس وقت مذاکرات میں جن وجوہ سے دلچسپی لے رہا ہے ان کا تعلق اس کے داخلی حالات سے بھی ہے اور عالمی سیاست اور خود پاکستان اور اس کی قیادت کے بارے اس کے خاص اندازوں سے بھی۔ کا خیال ہے کہ امریکہ اس وقت کشمیر کے مسئلہ کو پس پشت ڈال کر تجارتی اور ثقافتی تعلقات کی استواری سے لیے کوشاں ہے اور یہ وقت پاکستان کو اپنے جال میں پھنسانے کے لیے سازگار ہے۔ مزید برآں اس کا اندازہ ہے کہ پاکستان اس وقت معاشی مشکلات میں مبتلا ہے۔ قرضوں کا بار کمر توڑ رہا ہے۔ دفاع کے لیے بھی وسائل بہ دقت فراہم کیے جا رہے ہیں۔ اس لیے یہی وہ وقت ہے جب ان اخراجات کا ہوّا دکھا کر پاکستان کی دفاعی صلاحیت کو کمزور کیا جا سکتا ہے اور پاکستان کی منڈیوں کو بھارت کی مصنوعات کے لیے کھولا جا سکتا ہے۔ نواز شریف صاحب کی حکومت معاشی معاملات کو اولیت دے رہی ہے اس لیے اسے تجارت اور معاشی ترقی کا سبز باغ دکھا کر بھارت اور امریکہ کی مشترک حکمت عملی کے جال میں پھنسایا جا سکتا ہے۔ بھارتی قیادت کا یہ بھی خیال ہے کہ پاکستان کی وہ قیادت جس نے تقسیم ملک کے خونی ڈرامے کو بہ نظر سر نہیں دیکھا اور جسے تحریک آزادی کے دوران ہندو قیادت کی چالاکیوں کا تجربہ نہیں اس کے دماغ میں انتخابی مینڈیٹ کی ہوا بھر کر اسے چکنی چپڑی باتوں سے لبھایا جا سکے بلکہ اب تو بقول اسٹیفن کوہن' جناب نواز شریف صاحب اور گوڑا صاحب کو امن کے نوبل پرائز کا دلاسا بھی دیا جا رہا ہے۔

ع　　ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا!

لیکن ان ساری کوششوں اور چالوں کا مقصد صرف ایک ہے اور وہ ہے مسئلہ کشمیر کو پس پشت ڈالنا' اور سیاچین اور تجارت جیسے جزوی مسائل میں الجھا کر کشمیر کی تحریک پر ایک کاری ضرب لگا کر تبدیلی کے ان امکانات کو معدوم کر دینا جو سات سالہ تحریک جہاد کی بنا پر رونما ہوئے ہیں اور جن کی وجہ سے مسئلہ کشمیر ایک بار پھر نہ صرف یہ کہ زندہ ہوا ہے اور دنیا بھر میں بھارت کا منہ کالا کرنے کا سبب بن رہا ہے بلکہ خود بھارت یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوا ہے کہ اس عوامی تحریک کو محض جبر اور تشدد کے ذریعے ختم نہیں کیا جا سکتا' اس لیے اب اس کے لیے پاکستان کی معاونت حاصل کرنا ناگزیر ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ توجہ کا مرکز کشمیر سے ہٹا کر معاشی تعاون اور تجارت کے فروغ کو بنایا جا رہا ہے۔ چیمبرز آف کامرس کو شریک جہاد کیا جا رہا ہے۔

پاکستان کے تاجر حلقوں میں ان افراد کو ہمنوا بنایا جا رہا ہے جو امپورٹ ایکسپورٹ کا کاروبار کرتے ہیں اور نفع عاجلہ کی خاطر ملک کے حقیقی اور دُوررَس مفادات سے صرف نظر کرنے کو تیار ہیں۔ صحافیوں اور دانشوروں کی ایک لابی ہے جسے استعمال کیا جا رہا ہے اور نواز شریف صاحب کی دکھتی رگ "یعنی معاشی مسائل کے حل" سے فائدہ اٹھا کر ایک بڑا ہی خطرناک سنیاریو (scenario) تصنیف کیا جا رہا ہے جس میں ایک طرف یہ امید دلائی جا رہی ہے کہ بھارت سے تجارت کے دروازے کھلتے ہی پاکستان کے سارے مسائل حل ہو جائیں گے' قیمتیں گر جائیں گی' افراط زر میں کمی ہو گی' وفاقی اخراجات کا بوجھ کم ہو جائے گا اور نواز شریف صاحب کی حکومت فتح کے شادیانے بجانے لگے گی۔

مسئلہ کشمیر کے معاشی پہلوؤں سے صرف نظر بھی ممکن نہیں۔ بلاشبہ ہمارے لیے مسئلہ کی اولین اہمیت نظریاتی' اخلاقی اور سیاسی ہے اور کوئی قوم محض موہوم معاشی فوائد کی خاطر ان پہلوؤں کو قربان نہیں کر سکتی۔ لیکن اگر خالص معاشی اعتبار سے دیکھا جائے کہ پاکستان کی معیشت کی بقا کا انحصار کشمیر سے آنے والے دریاؤں پر ہے۔ بھارت کا بھی ایک اہم ہدف ان دریاؤں کے منبع پر قبضہ ہے تاکہ پانی کے بہاؤ کو کنٹرول کیا جا سکے۔ یہی کھیل بھارت بنگلہ دیش سے کھیل رہا ہے اور فرخا پر اپنے تسلط کو اس کے خلاف استعمال کر رہا ہے۔ یہی وہ پاکستان کے ساتھ کرنا چاہتا ہے۔ انڈس معاہدہ کے بعد اس نے وولر بیراج اسی مقصد کے لیے تعمیر کیا تھا۔ یہ تو مجاہدین کا کارنامہ ہے کہ انھوں نے بھارت کے منصوبے کو خاک میں ملا دیا اور وہ پاکستان کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکا۔

ان وجوہ کی بنا پر تجارت اور معیشت پہلے اور کشمیر بعد میں کے گمراہ کن ہی نہیں تباہ کن حربے کا پورا ادراک ضروری ہے۔ ہماری سیاسی قیادت کو بھارت کی اس چال کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے اور گربہ کشتن روز اول کے اصول پر اس کا پردہ پہلے دن ہی چاک کر دینا چاہیے۔ ہماری قومی ترجیحات میں کشمیر اول اور کشمیر آخر ہے۔ باقی سب اس کے بعد آتا ہے۔

بھارت کا ذہن خواہ کچھ بھی ہو' ہمیں یقین ہے کہ پاکستانی قوم بیدار ہے اور وہ کسی ایسے جال میں ہرگز پھنسنے کو تیار نہیں۔ ہاں اگر بھارت کشمیر کے مرکزی مسئلہ کو خود اپنے وعدوں' یو این او کی قراردادوں اور کشمیری عوام کی خواہشات کے مطابق طے کرنے کو تیار ہو تو پاکستانی قوم بڑی خوشی کے ساتھ تعلقات کے ایک نئے باب کا آغاز کرنے کو تیار ہو گی --- اور اس کا انحصار واضح اور دوٹوک عملی پروگرام پر ہو گا یعنی خوشنما الفاظ اور کھوکھلے نعروں پر نہیں۔

پاک بھارت تعلقات کے سلسلہ میں جن بنیادی امور کو سامنے رکھنا بہت ضروری ہے وہ مختصراً اس تاریخی قرارداد میں آگئے ہیں جو پاکستان کے سینٹ میں ۱۸ ستمبر ۱۹۸۹ کو متفقہ طور پر منظور کی گئی تھی اور جسے

پیش کرنے کی سعادت راقم الحروف کو حاصل ہے۔ آج کی قیادت کو اس قرارداد کے ایک ایک لفظ کو بغور سمجھنا اور اپنانا چاہیے اور اسی فریم ورک میں بھارت کی قیادت سے بات چیت کی حکمت عملی تیار کرنی چاہیے۔ قرارداد کی اہمیت کے پیش نظر ہم اس کا مکمل متن یہاں پیش کرتے ہیں:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! بھارت نے اپنی فوجی قوت میں جو غیر متوازن اضافہ کیا ہے سینٹ آف پاکستان کو اس پر تشویش ہے اور وہ دوسرے ملکوں کے اضطراب میں بھی . . بر کا شریک ہے جو انھیں علاقے کے امن اور سلامتی پر پڑنے والے اس کے اثرات اور بھارت کے توسیع پسندانہ عزائم کے سلسلے میں خدشات کی بنا پر لاحق ہے اور اس یقین کا اظہار کرتا ہے کہ علاقے میں امن اور سکون کا انحصار اقوام متحدہ کے چارٹر میں طے شدہ اصولوں اور قدروں کے ساتھ مخلصانہ اور دیانت دارانہ وابستگی پر ہے۔

سینٹ مزید اس یقین کا اظہار کرتا ہے کہ پاکستان کے عوام دنیا کے تمام ممالک کے ساتھ بالعموم اور اپنے ہمسایوں بالخصوص بھارت کے ساتھ باوقار' امن اور دوستی کے ساتھ رہنے کے خواہش مند ہیں۔ وہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ اپنی نظریاتی اور ثقافتی اقدار کو برقرار رکھتے ہوئے' مختلف درجات کی ترقی کی روشنی میں اقتصادی مفادات کے تحفظ اور ان مسائل کے حل کے ذریعے' جنھوں نے گذشتہ چار دہائیوں سے پاکستان اور بھارت کے تعلقات کو مجروح کر رکھا ہے اور جن کی خرابی میں کئی سالوں کے دوران بھارت کے ساتھ دوستی' تعاون اور ہمسائیگی کے اچھے تعلقات کو مستحکم اور مضبوط بنایا جا سکتا ہے اور وہ اس عزم کا اظہار کرتا ہے کہ ہندوستان کے ساتھ پایدار امن اور قابل تائید دوستی کو صرف ذیل کے اصولوں پر استوار کیا جا سکتا ہے:

۱۔ علاقے کے تمام ملکوں کو' ان کے سائز اور فوجی قوت سے قطع نظر برابر کی حیثیت سے قبول کرنا' توسیع پسندانہ رویے اور طرز عمل سے متعلق ہر قسم کی علامات سے احتراز۔

۲۔ سیاچین گلیشیئر سے بھارتی فوجیوں کا فی الفور انخلا جس پر بھارت نے بین الاقوامی قانون کے تمام اصولوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قبضہ کیا' بشمول شملہ معاہدے کے' جس کے تحت بھارت نے اپنے آپ کو ۱۹۷۲ کے وقت کی کنٹرول لائن کا پابند بنایا تھا۔

۳۔ سلامتی کونسل کی قراردادوں اور ریاست جموں و کشمیر کے عوام کے حق خود ارادیت کے مطالبے کے مطابق رائے شماری کے ذریعے مسئلہ کشمیر کا حل۔

۴۔ علاقے کے ملکوں کی خود مختاری' یک جہتی' آزادی اور نظریات کا احترام اور ان کے اس حق کا بھی احترام' کہ وہ اپنے دفاع کے لیے جس قسم کے حفاظتی انتظامات اختیار کرنا چاہیں' ان کا وہ خود فیصلہ کر سکیں۔

۵۔ ان ممالک کے اس حق کی تصدیق کہ وہ اقتصادی توانائی اور دیگر ضروریات کو پورا کرنے کے لیے تمام اقسام کی ٹیکنالوجی کو ترقی دے سکیں۔

۶۔ اقلیتوں کے حقوق کا احترام' کیونکہ مسلم اُمّہ ہندوستان اور دوسری جگہوں پر مسلمانوں کے ساتھ جو

کچھ ہو رہا ہے اس بارے میں لاتعلق نہیں رہ سکتی۔

۷۔ دوسرے ملکوں کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت اور کھلی اور چھپی تمام سرگرمیوں کا خاتمہ۔

سینٹ مزید اس عزم کا اظہار کرتا ہے کہ:

۱۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان پیچیدہ مسائل کو بصیرت' حقیقت پسندی اور احتیاط سے نبٹانے کی ضرورت ہے۔

۲۔ بھارت کے ساتھ رابطے اور مکالمے کی کوشش میں ہمیں بنیادی مسائل کے جلد حل کی تلاش جاری رکھنی چاہیے۔

۳۔ پاکستان کے مقصد اور اصولی پوزیشن کے حق میں علاقے کے ملکوں اور دنیا کی حمایت کو حرکت میں لانے کے لیے قومی اور بین الاقوامی سطح پر پر تخیل پالیسیوں کے ذریعے حکومت کو مذاکرات کے ساتھ ایک زیادہ زوردار پالیسی اختیار کرنی چاہیے۔

۴۔ حکومت کو جموں و کشمیر کے مسلمانوں کی' ان کے حق خود ارادیت کے لیے اپنی جدوجہد میں ان کے ساتھ یک جہتی کا اظہار جاری رکھنا چاہیے۔

۵۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ خارجہ پالیسی سے متعلق اہم تبدیلیوں کے بارے میں دونوں ایوانوں کو باخبر رکھے اور ان کو زیر بحث لائے۔

سینٹ حکومت کو یقین دلاتا ہے کہ وہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے اسلامی تخیلات اور عوام کی امنگوں کے مطابق خارجہ پالیسی کو چلانے' ملک کی خود مختاری' یک جہتی اور اتحاد کو برقرار رکھنے اور عالمی امور میں اس کے کردار ادا کرنے کے سلسلے میں ہر ممکنہ تعاون کرے گا۔

اس قرارداد کی اہمیت کے کئی پہلو ہیں۔ ہم مختصراً ان میں سے چند پر توجہ مرکوز کرانا چاہتے ہیں:

۱۔ پاکستان کی تاریخ میں پاک بھارت تعلقات کے سلسلہ میں یہ واحد قرارداد ہے جو ایک منتخب ایوان نے مکمل اتفاق رائے سے منظور کی۔ اگر اس کے پیش کرنے والوں میں راقم (جماعت اسلامی) اور راجہ ظفرالحق صاحب (مسلم لیگ) تھے تو اس کی تائید کرنے والوں میں اس وقت کے وزیر خارجہ صاحبزادہ یعقوب علی خان صاحب اور پیپلزپارٹی اور دوسری ان سب جماعتوں کی قیادت شامل ہے جو سینٹ میں تھی۔ اسی طرح اسے قومی سوچ کا مظہر قرار دیا جا سکتا ہے اور کسی حکومت کو اس سے ہٹ کر راستہ اختیار کرتے وقت سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کہ وہ قوم اور اس کے منتخب اداروں کو اعتماد میں لیے بغیر کسی انحرافی راستے کو اختیار کرنے کی مجاز نہیں۔

۲۔ پاکستان اور بھارت میں دوستی مطلوب ہے لیکن ملک و ملت کے کلیدی مفادات کے تحفظ کے ساتھ' ان کی قربانی یا اضمحلال کی قیمت پر نہیں۔ اس لیے اس کی بنیاد ان حقائق پر رکھی گئی ہے جو حالات کو خراب

کرنے کا سبب بنے ہیں۔ ان میں سب سے اہم بھارت کی طرف سے پاکستان کے نظریاتی اور ثقافتی تشخص کا انکار اور ان بنیادی اقدار کی تنقیص اور تخفیف ہے جن پر یہ ملک قائم ہے۔ ہم بھارت کے سیکولرازم کے (جیسا بھی وہ ہے) ناقد نہیں لیکن وہ ہمارے دینی اور اخلاقی وجود اور تشخص کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں اور مذہب اور اخلاق کی بنیاد پر قائم ہونے والے ملک کو نہ صرف غیر فطری قرار دیتا ہے اور حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے بلکہ اس کو زندہ رہنے کا حق بھی دینے کو تیار نہیں جو سامراجی ذہن کی بدترین مثال ہے۔

اسی طرح بھارت کے ایک بڑے ملک ہونے سے کسی کو انکار نہیں۔ یہ ایک جغرافیائی اور معاشی حقیقت ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ علاقے میں اس کی بالادستی کو تسلیم کیا جائے اور دوسرے ملک اس کے باج گزار بن کر رہیں۔ یہی دراصل سامراج اور امپیریلزم کی اصل ہے اور جب تک بھارت کی یہ ذہنیت اور عزائم موجود ہیں' علاقہ میں امن کا قیام محال ہے۔

اس قرارداد میں ان دونوں اسباب کی نشاندہی کی گئی ہے اور مساوات اور ایک دوسرے کو اختلاف کے باوجود کھلے دل سے تسلیم کرنے کی بنیاد پر دوستی استوار کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

۳- اس قرارداد میں جزوی (piece-meal) اور قدم بقدم (step-by-step) طریق کار کے مقابلے میں ایک مناسب پیکج کی شکل میں معاملات کو طے کر کے دوستی کی راہ ہموار کرنے کی حکمت عملی کو پیش کیا گیا ہے جو قابل عمل ہے اور نتیجہ کشا ہے۔ دوسرا راستہ بار بار آزمایا گیا ہے اور نتیجہ کے اعتبار سے غیر بار آور رہا ہے اور آزمودہ را آزمودن جہل است!

۴- اس میں اس اصول کو بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ جو باتیں پہلے طے ہو گئی ہیں ان کو دوبارہ کھولنا لاحاصل ہے۔ سیاچین کے مسئلہ پر ۱۹۸۹ میں معاملات طے ہو گئے تھے اور صرف عمل باقی تھا جو آج تک نہیں ہوا ہے۔ ۱۹۷۲ سے قبل کی پوزیشن بحال کرنا طے ہو چکا ہے اب دوبارہ demilitarisation کا سوال اٹھانے کے کیا معنی ہیں۔ کشمیر کے معاملے میں بھارت طے شدہ امور پر عمل سے گریز کرتا رہا ہے۔ اس طرح تو معاملات کبھی بھی طے نہیں ہو سکتے۔ ہم صرف وقت گزاری ہی کرتے رہیں گے۔

۵- جن سات اصولوں کو اس میں پیش کیا گیا وہ سب اور ان میں سے ہر ایک اہم ہے اور دوستانہ تعلقات کی کامیابی کے لیے ناقابل تخفیف شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔ آج بھی یہ اصول اتنے ہی اہم ہیں جتنے ۱۹۸۹ میں تھے۔ خصوصیت سے بھارت کی جنگی تیاریوں اور علاقائی اور عالمی قوت بننے کے منصوبوں کی روشنی میں۔

۶- مسئلہ کشمیر کی مرکزی حیثیت اس قرارداد میں بالکل واضح ہے۔ ایک' مسئلے کی اولیت کی حیثیت سے اور دوسرے' تحریکِ مزاحمت و جہاد کی مکمل تائید جاری رکھنے اور اس کے لیے عالمی رائے کو متحرک کرنے کے رشتہ سے۔ آج بھی ہمارے موقف کا مرکز اور محور کشمیر ہی ہے اور اس سے ہٹ کر کوئی اور چیز نہیں ہو

سکتی۔

۷۔ ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت کے احترام کے ساتھ مسلمان اقلیت کے حقوق اور اہل جموں و کشمیر کے حق خود ارادیت کی مستقل حیثیت کو اس میں اجاگر کیا گیا ہے جو تحریک پاکستان کا لازمی تقاضا ہے۔

۸۔ اس قرارداد کی آخری اہم بات یہ ہے کہ اس میں پالیسی سازی میں قوم اور اس کے منتخب نمائندوں کے رول اور کردار کو بالکل دو ٹوک انداز میں بیان کر دیا گیا ہے اور یہی وہ میکنزم ہے جس میں قومی پالیسیوں کی تشکیل اور ان کا احتساب ہونا چاہیے۔ پاک بھارت مذاکرات کے لیے صحیح حکمت عملی اور مناسب پیکج اس قرارداد پر ہی مبنی ہو سکتا ہے۔

ہم اس وقت ان تلخ حقائق کا اعادہ نہیں کرنا چاہتے جن کی وجہ سے گذشتہ پچاس سال میں ہمارے تعلقات بھارت سے کشیدہ ہی نہیں خون آلود رہے ہیں۔ پاکستان کے قیام اور اس کو ایک مبنی برحق ریاست کی حقیقت سے تسلیم نہ کرنا اور پورے علاقے پر اپنی قیادت اور سیادت قائم کرنے کے عزائم ہی نہیں عملی اقدام، صلح کی راہ کو مسدود کرنے والے پتھر رہے ہیں۔ بھارت کی جنگی صلاحیت اور قوت کے ذریعے علاقوں کے حصول کی روش پورے جنوب ایشیا کے لیے خطرہ کا باعث رہی ہے۔ پاکستان ہی نہیں علاقے کے تمام ہی ممالک کے ساتھ بھارت کا رویہ حاکمانہ اور غاصبانہ رہا ہے۔ ہم ان دوسرے تمام حقائق کا اس وقت ذکر نہیں کر رہے۔ ہم اس وقت صرف مستقبل کے ناطے سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ بھارت سے گفتگو ایک اور صرف ایک مسئلہ پر ہو سکتی ہے اور وہ ہے کشمیر کا مسئلہ۔ یہی گفتگو کا آغاز ہے اور اس پر اس کا انجام منحصر ہے۔ باقی تمام مسائل اس ایک مسئلہ کے حل کے بعد، یا کم از کم اس کے حل کی طرف متعین خطوط پر طے شدہ ٹائم ٹیبل کے مطابق عملی پیش رفت کے بعد زیر غور آ سکتے ہیں۔ نہ سیاچین کا مسئلہ نقطہ آغاز ہے اور نہ تجارت یا ثقافت یا رسل و رسائل اور بجلی کی فراہمی۔ جب تک کشمیر کا مسئلہ گرفت میں نہیں آتا اس وقت تک کسی دوسرے مسئلے کے بارے میں کسی پیش رفت کا کوئی سوال نہیں۔ اوسلو کا تجربہ فلسطین کی قیادت کر چکی ہے۔ مقبوضہ عرب اردن کے صرف تین فیصد رقبہ پر میونسپل انتظام حاصل کر کے اہل فلسطین نے کیا پایا؟ آج فلسطین کی زمین جہنم زار بنی ہوئی ہے اور مشرقی بیت المقدس میں مسلمانوں کی زمین ہی نہیں مسلمانوں کی لاشوں پر اسرائیلی فوج عالمی رائے عامہ کو حقارت سے رد کر کے یہودیوں کی نئی بستیاں بنا رہی ہے۔ یہ ہے اصل مسئلہ کو موخر کر کے جزوی معاملات پر بات چیت کرنے کا نتیجہ! پاک بھارت تعلقات صرف اس وقت درست ہو سکتے ہیں جب مرکزی امور پر بات چیت ہو اور ایک مکمل پیکج طے ہو جس کے نتیجے میں تنازع کے اصل اسباب دور ہوں اور حقیقی دوستی کی راہ ہموار ہو سکے۔ piece-meal اپروچ مسئلہ کا حل نہیں،

معاملات کو مسلسل الجھائے رکھنے کا تیر بہدف نسخہ ہے۔ اس لیے پہلی ضروری بات یہ ہے کہ اصل مسئلہ پر بات ہو' ادھر ادھر کی ہوائیاں نہ اڑائی جائیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ بات چیت اسی وقت نتیجہ خیز ہو سکتی ہے جب ایک ایسا طریق کار طے ہو جائے جو عملی اقدام سے وابستہ ہو اور ناکامی کی صورت تعطل اور ڈیڈ لاک نہ ہو بلکہ ثالثی کے ذریعے معاملے کو ختم کرنے کا انتظام ہو۔ یہی وہ فراست ہے جو قائداعظم اور لیاقت علی خاں کی مذاکراتی سیاست سے سامنے آتی ہے۔ قائداعظم نے جس طرح ہندو قیادت اور انگریز حکمرانوں سے مذاکرات کیے ان میں مرکزی موضوعات پر توجہ کو مرکوز کرنا اور ضمنی اور جزوی امور میں الجھنے سے احتراز بہت نمایاں ہے۔ قائداعظم۔گاندھی خط و کتابت کے مطالعہ سے قائداعظم کا طریق کار کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ ہر گفتگو کے بعد وہ تحریر کے ذریعے گاندھی جی کو باندھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جہاں گاندھی فرار کا راستہ کرتے ہیں وہ وہیں اپنی گرفت مضبوط کر لیتے ہیں۔ نیز اپنے فیصلوں کے بارے میں اپنی ورکنگ کمیٹی کو شریک کرتے ہیں اور اس کی توثیق کے بغیر کوئی commitment نہیں کرتے اور یہ رویہ اس شخص کا ہے جو حقیقت میں قائداعظم تھا اور مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی ہی نہیں برصغیر کے مسلمانوں کے دلوں کا بادشاہ تھا۔ لیکن وہ بھی مشاورت اور توثیق کے بغیر بڑے فیصلے نہیں کرتا۔ دوسرا پہلو وہ ہے جو خان لیاقت علی خان کے لیاقت نہرو مذاکرات میں سامنے آتا ہے۔ جب دسیوں خطوں کے تبادلے کے باوجود کوئی حقیقی پیش رفت نہ ہوئی تو قائد ملت نے دوٹوک انداز میں پنڈت نہرو کو اپنے ۱۴ فروری ۱۹۵۰ کے خط میں باندھ لینے کی کوشش کی۔ جس پر پنڈت جی نے چپ سادھ لی اور یہیں سے پاک بھارت مذاکرات میں تعطل کا دور شروع ہوا۔

پنڈت نہرو چاہتے تھے کہ کشمیر کے مسئلے کا حل نکالنے سے پہلے "جنگ نہ کرنے کا معاہدہ" کر لیا جائے۔ لیاقت علی خان نے صاف لفظوں میں لکھا کہ ہم ایسے معاہدہ کے لیے بھی تیار ہیں لیکن مسئلہ محض ایک اعلامیہ کا نہیں اصل مسائل کو حل کرنے کے لیے ایک واضح اور متعین طریق کار طے کرنے کا ہے جس کے دونوں پابند ہوں۔ آپ کو ان متنازع مسائل کا اعتراف کرنا ہو گا جو ہمارے درمیان حل طلب ہیں اور "ان کے حل کے لیے ایک ٹائم ٹیبل کا تعین بھی کرنا ہو گا یعنی یہ کہ اتنے مہینے میں یہ لازماً حل کر لیے جائیں گے اور اگر اس مقررہ مدت میں وہ حل نہ ہوں تو مسئلہ خود بخود طے شدہ طریقے کے مطابق ثالثی کے لیے پیش ہو گا" جس کے فیصلے کو دونوں کو تسلیم کرنا ہو گا--- یہ ہے فراست کا وہ راستہ جس سے آپ ہندو قیادت سے معاملہ کر سکتے ہیں ورنہ تجربہ یہی ہے کہ وقت پڑنے پر تو وہ بات چیت کے لیے تیار ہو جاتا ہے مگر ضمنی مسائل میں ایسا الجھاتا ہے کہ اصل مسائل کے حل کی طرف کوئی پیش رفت نہ ہو سکے۔ ۱۹۴۹ سے آج تک یہی اس کی ریت رہی ہے۔

تیسری اور آخری ضروری گزارش یہ ہے کہ اگر بھارت فی الحقیقت مسائل کو حل کرنے کے لیے سنجیدہ اور آمادہ ہے تو آغاز کار ہی میں مندرجہ ذیل اقدام ایک متعین ٹائم ٹیبل کے مطابق کرنے کا اہتمام

ضروری ہے:

(الف) اس امر کا اعتراف کہ کشمیر متنازع مسئلہ ہے جو محض کوئی سرحدی تنازع نہیں بلکہ اس کی اصل ۱۳ ملین انسانوں کا اپنے مستقبل کے فیصلہ کرنے کا حق ہے۔ اس کے مستقبل کا فیصلہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق جموں اور کشمیر کے عوام کی آزادانہ مرضی سے کیا جائے گا۔

(ب) جموں اور کشمیر میں بھارتی فوج اور سیکیورٹی فورسز جو مظالم ڈھا رہی ہیں وہ فوری طور پر بند کیے جائیں گے۔ ظالمانہ قوانین (ٹیفشی ایکٹ۔ نیشنل سیکیورٹی ایکٹ۔ آرمڈ فورسز اسپیشل پاورز ایکٹ وغیرہ) ختم کیے جائیں۔ اور بین الاقوامی میڈیا اور بین الاقوامی مبصرین کی معقول تعداد کو حالات مانیٹر کرنے کا موقع اور آزادی دی جائے گی۔

(ج) بھارت اپنی آرمڈ فورسز اور سیکیورٹی فورسز کو فوری طور پر تمام شہری اور دیہاتی علاقوں سے فوجی بیرکوں میں واپس لے جائے گا، تمام بنکر اور واچ ٹاورز ختم کیے جائیں گے اور ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق فوجوں کو جموں و کشمیر سے واپس بلانے کا کام شروع کیا جائے گا۔

(د) جموں اور کشمیر میں سیاسی عمل کو بحال کیا جائے گا۔ تقریر، تحریر اور سیاسی سرگرمیوں کی آزادی دی جائے گی اور عوام کے حقیقی نمایندوں کو سیاسی عمل اور مذاکرات میں شریک کیا جائے گا۔

(ھ) تمام گرفتار شدہ افراد کو رہا کیا جائے گا اور اسلحہ کے ذریعے سیاسی معاملات کو طے کرنے کا دروازہ بند کیا جائے گا--- سرکاری سطح پر بھی اور عوامی سطح پر بھی۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہو گا جب فوجی اقتدار یا کٹھ پتلی حکومت کی جگہ کوئی معقول عارضی انتظام باہم مشورہ اور اقتدار سے طے پائے (جس میں پاکستان، بھارت اور جموں و کشمیر کے معتمد نمایندے شریک ہوں)

(و) جموں اور کشمیر کی پوری ریاست میں ایسے حالات پیدا کیے جائیں کہ ریاست کے مستقبل کے بارے میں آزادانہ رائے شماری ممکن ہو سکے اور دونوں علاقوں کی سیاسی قیادت مسئلہ کے حل کے لیے سیاسی کردار ادا کر سکے اور اس کے لیے ایک قابل عمل پروگرام طے پا جائے۔

یہ چھ بنیادی امور ہیں جن کے ذریعے پاکستان، بھارت اور جموں و کشمیر کے حقیقی نمایندوں کے مشورے، تعاون اور رضامندی سے مسئلہ کے حل کی راہیں کھل سکتی ہیں۔ اگر بھارت کی قیادت اور عالمی طاقتیں مسئلہ کے حل کے بارے میں سنجیدہ ہیں تو ان اصولوں کی روشنی میں بند دروازے کھل سکتے ہیں اور مسدود راہیں واگزار ہو سکتی ہیں۔ لیکن یہ سب اس وقت ممکن ہے جب پاکستان کی قیادت تاریخ سے سبق سیکھتے ہوئے عزم، جرأت اور بالغ نظری سے اپنا موقف پیش کرے اور بھارت کی قیادت اپنی ہٹ دھرمی اور ضد کو ترک کر کے زمینی حقائق کو تسلیم کرنے اور ان عالمی جمہوری اصولوں کا پاس کرنے کو تیار ہو جن کا پرچار وہ ساری دنیا میں کرتی رہی ہے۔ آزمایش دونوں کی ہے۔

یہ گھڑی محشر کی ہے، تو عرصہ محشر میں ہے!
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے!

(اس مضمون کے ری پرنٹ دستیاب ہیں۔ منشورات، منصورہ، لاہور)

حکمت مودودیؒ

جمہوریت اور ملوکیت

قارئین" الجمعیتہ" میں سے ایک صاحب نے ہمیں ایک مضمون بھیجا ہے۔ صاحب مضمون نے مولانا محمد علی صاحب کے جن الفاظ پر اعتراض کیا ہے وہ ہماری نظر سے نہیں گزرے اور ہمیں اصل مضمون کی طرف مراجعت کا موقع بھی نہیں ملا۔ اگر مولانا کے ٹھیک الفاظ یہی ہیں جو ہمارے مراسلہ نگار نے لکھے ہیں تو یقیناً انھوں نے جوش بیان میں مبالغے سے کام لیا۔ لیکن افسوس ہے کہ ہمارے مراسلہ نگار نے بھی ان پر اعتراض کرنے میں انصاف نہیں کیا ہے۔ مولانا کا یہ کہنا کہ خلافت راشدہ کے مستحسن اوارے کو چھوڑ کر بادشاہت کی طرف قدم بڑھانا اسلام کو ترک کر کے کفر کی طرف قدم بڑھانا ہے' یہ معنی ہرگز نہیں رکھتا کہ وہ تمام مسلمان بادشاہوں کو کافر قرار دیتے ہیں بلکہ اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی رائے میں بادشاہت کا نظام کفر کے شعائر میں سے ہے۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ جو شخص اسلام کے طریق حکومت کو چھوڑ کر کفر کے طریق حکومت کو اختیار کرتا ہے' وہ اس خاص باب میں اسلام سے منہ موڑ کر کفر کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جس میں کوئی شخص کہے کہ اگر تم دن کو رات کہو گے تو صداقت کو چھوڑ کر جھوٹ کی طرف جاؤ گے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایسا کہنے سے تم بالکل جھوٹے ہو جاؤ گے' بلکہ صرف یہ ہے کہ تمہارا ایسا کہنا جھوٹ ہو گا۔ کسی شخص کا جھوٹا ہونا اور اس کے کسی قول کا "جھوٹ" ہونا دو بالکل مختلف چیزیں ہیں۔ جب ہم کسی کو جھوٹا کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ بولنا اس کی صفت ہے۔ بہ خلاف اس کے جب ہم کہتے ہیں کہ اس کا فلاں قول جھوٹ ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہم اس شخص کو جھوٹا کہہ رہے ہیں' بلکہ صرف یہ ہوتا ہے کہ اس خاص قول میں اس نے جھوٹ اختیار کر لیا ہے۔

بالکل یہی فرق کسی شخص کو کافر کہنے اور اس کے کسی خاص فعل کو کفر کہنے میں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کفر کا فعل کرے اور وہ کافر نہ ہو' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اسلام کا فعل کرے اور وہ مسلم نہ ہو۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "زانی جب زنا کرتا ہے تو مومن نہیں ہوتا' اور چور جب چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا' اور شرابی جب شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا"۔

اس ارشاد نبویؐ سے یہ مطلب آج تک کسی نے نہیں لیا کہ زانی' چور' شراب خور مومن نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا صاف اور سادہ مطلب یہی سمجھا گیا ہے کہ زنا' چوری اور شرب خمر کافرانہ افعال ہیں اس لیے جو شخص ان کو کرتا ہے وہ اس خاص معاملے میں اسلام کو چھوڑ دیتا ہے۔

پس اگر مولانا محمد علی نے بادشاہت کی طرف قدم بڑھانے کو کفر کی طرف جانا قرار دیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر شخص جو بادشاہ ہو' کافر ہے۔ بلکہ صرف یہ مطلب ہے کہ بادشاہت اسلام کے بتائے ہوئے طریق حکومت کے خلاف ہے۔ اس لیے جو شخص اس کو اختیار کرتا ہے وہ حکومت کے معاملے میں اسلام کی ہدایت کو چھوڑ کر کفر کی گمراہی کی طرف جاتا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ مولانا کی یہ رائے فی نفسہ صحیح ہے یا نہیں' تو اس کے متعلق تفصیل سے بحث کرنے کا محل دوسرا ہے۔ تاہم اختصار کے ساتھ ہم بتاتے ہیں کہ آج کل عرف عام میں جمہوریت اور ملوکیت کے الفاظ جن خاص طرز کی حکومتوں پر بولے جاتے ہیں ان سے تو اسلام کو واقعی کوئی تعلق نہیں ہے۔ البتہ اصطلاحاً" حکومت کے جس نظام کے لیے ملوکیت کا لفظ وضع کیا گیا ہے وہ اسلام کے خلاف ہے اور جو نظام جمہوری کہلاتا ہے وہ اصلاً" اسلامی نظام ہے۔ ملوکیت کی بنیاد دو چیزوں پر ہے: ایک استبداد بالرائے' دوسرے حکومت کا ایک نسل اور خاندان کے ساتھ مخصوص ہونا۔ یہ دونوں چیزیں سنت رسولؐ اور سنت خلفاے راشدین کے خلاف ہیں۔ بہ خلاف اس کے جمہوریت کی اصل' شوریٰ اور استخلاف صالح ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں قرآن' سنت رسولؐ اور سنت خلفاے راشدین سے ثابت ہیں۔ پس اگرچہ جمہوریت کی کسی خاص شکل کو ہم اسلام کا طریق حکومت نہیں کہہ سکتے' لیکن نفس جمہوریت کے متعلق ہم بلاشک و ریب کہہ سکتے ہیں کہ وہ اور صرف وہی اسلام کا بتایا ہوا طریق حکومت ہے۔ اور ملوکیت یقیناً ایک جاہلی نظام ہے جس کے بت کو توڑنا اسلام کے اصلاحی پروگرام کی سب سے پہلی دفعہ ہے۔

ہمارے مراسلہ نگار کی رائے ہے کہ موجودہ زمانے میں خلافت راشدہ کی طرز کی جمہوریت قائم کرنا امر محال ہے اس لیے اس کا خیال ہی چھوڑ دینا چاہیے۔ مگر ہم اس استدلال کی معقولیت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اس کے معنی تو یہ ہیں کہ آج اسلام کی جن جن ہدایات اور جن جن احکام پر عمل کرنا ہماری شامت اعمال سے امر محال بن گیا ہے' ان سب کا خیال ہمیں چھوڑ دینا چاہیے۔ اگر ریاست حیدر آباد کے لیے آبکاری کا محکمہ توڑ دینا امر محال ہے تو ہم شراب اور اس کی آمدنی کی حرمت کا ذکر ہی ترک کر دیں۔ اگر ریاست بھوپال کے لیے اپنی حدود میں زنان بازاری کا استیصال ناممکن ہے تو زنا کی حرمت کا خیال ہی دل سے نکال دیا جائے۔ آج سود سے بچنا مسلمان تاجروں اور زمینداروں کے لیے ناممکن ہو گیا ہے تو اب سود کی حرمت کا تذکرہ ہی فضول ہے۔ اگر اس استدلال کے مطابق اسلام کے اصول اور تعلیمات میں حذف و ترمیم کا سلسلہ شروع ہوا

تو شاید ایک دن اقرار توحید و رسالت کے سوا اسلام میں کچھ نہ رہے گا۔

سوال یہ ہے کہ خلفاے راشدین کا طرز حکومت ان کی اپنی رائے پر مبنی تھا یا اسلام کی خالص تعلیم پر؟ اگر ان کی رائے پر مبنی تھا تو معاذ اللہ خلافت راشدہ کی بنیاد ہی غیر اسلامی قرار پاتی ہے اور ہمارے لیے اس میں کوئی اسوۂ حسنہ نہیں رہتا۔ اور اگر وہ اسلامی تعلیم پر مبنی تھا تو آج اس کی تقلید کو ناممکن قرار دینے کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کی تعلیم ایک خاص زمانے کے لیے مخصوص تھی۔ حالانکہ ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اسلام دین فطرت ہے اور اس کی تعلیم ہر زمانے اور ہر ملک کے لیے عام ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی مسلمان ان دونوں صورتوں میں سے ایک کا بھی قائل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ خلافت راشدہ کا نظام (جو جمہوری و شورائی نظام تھا) دراصل اسلامی تعلیم پر مبنی تھا، اور اس پر عمل کرنا آج حقیقتاً ناممکن نہیں ہے، بلکہ سوسائٹی کے بگڑے ہوئے نظام نے اس کو ناممکن بنا دیا ہے، جس کی اصلاح کرنا یا کم از کم اس کی کوشش کرنا (نہ کہ بددل ہو کر اس پر راضی ہو جانا) ہمارا فرض ہے۔ (الجمعیۃ، ۶ اپریل ۱۹۲۸)

آج دنیا میں علم کی کمی نہیں ہے'

جدید ذرائع علم نے علم کی بہتات کر دی ہے'

مگر حقیقی علم کیا ہے؟

وہ جو دل میں جاگزیں ہو'

عمل پر ابھارے' قوت متحرکہ بن جائے۔

جو علم' دماغ' زبان یا حلق تک ہی رہ جائے'

وہ علم' حقیقی نہیں ہے۔

علم کو جامد کیا چیز کرتی ہے؟

دنیا کی طمع ---

دنیا میں تمھارا جو حصہ ہے' تمھیں ضرور ملے گا'

طمع کرو تو آخرت کی کرو۔

جنت کے عیش و عشرت پر نظریں جما دو!!

(دنیا میں قابل رشک زندگی نصیب میں آئے گی)

اور --- علم' عمل کے لیے قوت متحرکہ بن جائے گا

(خیر خولہ)

قرآن میں ابتلا و آزمایش کا فلسفہ

ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی

اس دنیاے فانی میں سفیدی و سیاہی، روشنی و تاریکی اور حق و باطل کا وجود عبث نہیں ہے بلکہ ہر ہر چیز میں قادر مطلق خدا کی حکمت و منصوبہ بندی نظر آتی ہے۔ جہاں تک انسان کی تخلیق کا تعلق ہے اس کی غرض و غایت ہی یہ بتائی گئی کہ ہر ناحیہ عالم اور ہر شعبہ زندگی میں وہ اللہ رب العزت کی اطاعت و فرمانبرداری کا قلادہ اپنی گردن میں ڈال لے۔ اسی مقصد تخلیق کی تعبیر کے لیے قرآن پاک نے جابجا "بلاء" اور اس سے مشتق دوسرے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ انسان کی تخلیق کی غرض و غایت بتاتے ہوئے قرآن کہتا ہے: اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (الملک ۶۷:۲) وہی ہے جس نے موت و حیات کو پیدا کیا تاکہ وہ تم لوگوں کو آزمائے کہ تم میں عمل کے اعتبار سے کون اچھا ہے۔ دوسری جگہ زمین و آسمان کی خلقت کو رب کائنات کی شاہکار تخلیق نسل انسانی سے متعلق کرتے ہوئے فرمایا گیا، وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (ھود ۱۱:۷) وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا در آں حالیکہ اس کی حکمرانی پانی پر ہے تاکہ وہ تم لوگوں کو آزمائے کہ کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔

مذکورہ بالا آیات سے یہ واضح ہے کہ یہ دنیا دار الجزا نہیں ہے بلکہ دار العمل ہے۔ ہر لحظہ اور ہر جگہ وہ امتحان کے مرحلے میں ہے۔ اپنی فطرت صالحہ کا سہارا لیتے ہوئے اور آفاق و انفس کی نشانیوں پر غور و فکر کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے خواہ ایک شخص جادۂ مستقیم پر گامزن رہے یا پھر خواہشات نفس کا اسیر بن کر اور آباو اجداد کے دین کا قلادہ اپنی گردن میں ڈال کر سرفروشان حق کے بالمقابل صف آرا ہو اور منظم ہو جائے، ہر دو صورت میں یہ بندۂ خدا ــــ ابتلا و آزمایش سے دوچار ہوتا ہے۔ ایک انسان مسرت و شادمانی اور خیر و حسن کی لذتوں سے سرشار ہو یا حزن و الم اور مصائب و شدائد کی بھٹیوں میں تپ رہا ہو، یہ سارے مظاہر خدا کے قانون آزمایش کے تحت ہیں نہ کہ اعمال و افعال کے نتائج کے طور پر۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت کا اعلان سنیے: وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَةً (الانبیاء ۲۱:۳۵) اور ہم اچھے اور برے حالات میں ڈال کر تم سب کی آزمایش

کر رہے ہیں۔ لیکن یہ انسانی فطرت ہے کہ جب وہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی کسی عنایت و نوازش کا ظہور دیکھتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے اور وہ اس کے اس انعام و اکرام کا معترف و مداح بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس جب وہ گرفتار مصیبت ہوتا ہے تو رب کائنات کی جانب سے سوء ظن کا شکار ہو جاتا ہے اور اپنی حالت پر ماتم کناں ہوتا ہے۔ انسان کے اس فطری احوال و کوائف کی تصویر کشی ان آیات کریمہ میں یوں کی گئی ہے: فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ، وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ، فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ (الفجر ۸۹: ۱۵' ۱۶)۔ پس اللہ تعالیٰ جب انسان کو آزماتا ہے اور اسے عزت و نعمت دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دار بنایا اور جب وہ اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے اور اس کا رزق اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔ انسان کی اس فطری کمزوری کو دوسری جگہ یوں بیان کیا گیا' اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا (المعارج ۷۰: ۲۰' ۲۱) جب اس کو کوئی شر لاحق ہوتا ہے تو بے صبرا ہو جاتا ہے اور کوئی خیر لاحق ہوتا ہے تو ناشکرا بن جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو چیز جتنی زیادہ قیمتی ہوتی ہے' اس کی آزمائش بھی اسی معیار پر ہوتی ہے۔ ایمان و ایقان کی نعمت سے سرشار ہونے والوں کو جہاں قرآن میں خیر امت' امت وسط اور شہداء علی الناس کے القاب سے نوازا گیا ہے' وہیں امربالمعروف اور نہی عن المنکر کی عظیم ذمہ داری کا بار بھی ان کے کاندھوں پر ڈالا گیا۔ کلمہ حق لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے مقدس بول سے جب بندۂ خدا کا قلب معمور و منور ہو جاتا ہے تو رزم و بزم' نرم اور گرم اور خشک و تر ہر حالت میں' زندگی کے تمام شعبوں میں اور دنیا کے تمام خطوں میں اس کی زندگی انقلاب آشنا ہو جاتی ہے تو دوسری طرف یہ بول خدا ناشناس اور کفرو شرک کے علم بردار معاشرے کے لیے ایک چیلنج ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اہل ایمان کو مصائب و شدائد کے سیل رواں سے گزرنا پڑتا ہے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر اسلام کی نعمت تمام ہوئی اور انسانیت کے لیے طریقہ زندگی کی حیثیت سے اسی دین کو سند قبولیت عطا کی گئی۔ آپؐ اس دین حق کے ساتھ تشریف لائے تاکہ خود ساختہ اور خانہ ساز ادیان و مذاہب پر اس دین کو غالب کر دیں۔ حضور اکرمؐ کے وصال کے بعد اب تمام پیروان اسلام کے پاس یہ دین امانت کی شکل میں ہے۔ امت مسلمہ کے ہر ہر فرد پر اس کی استطاعت کے مطابق دین کے فروغ و اشاعت کی جدوجہد فرض ہے۔ اشاعت دین کی اسی جدوجہد میں رضائے الٰہی کے حصول کا راز مضمر ہے۔ اس عظیم سعادت و کامرانی کا حصول پھولوں کی سیج پر' نرم و گرم بستر پر اور خوشگوار و سازگار ماحول میں نہیں ہوتا بلکہ طعن و تشنیع' کشمکش و مخالفت اور اعتراضات و اختلافات کی سنگین وادیاں سر کرنا پڑتی ہیں۔ کلمہ حق کے اعلان و اظہار کے ذریعے جن باطل خداؤں پر زد پڑتی ہے یا جن کے آبا و اجداد

کے دین کا قصر عظمت پامال ہوتا ہے اور کرسی و اقتدار پر ضرب پڑتی ہے وہ دعوت کے اس مقدس مشن اور اس مشن عزیز کے علم برداروں کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کر سکتے۔ حضرت آدمؑ کے مقابلے میں ابلیس لعین کی شیطنت' حضرت موسیٰؑ کے مقابلے میں فرعون کی فرعونیت اور نبی عربیؐ کے مقابلے میں مشرکین' منافقین اور یہود و نصاریٰ کی ریشہ دوانی ان تمام مظاہر میں اللہ رب العزت کی سنت ثابتہ نظر آتی ہے۔ مکہ کے پر آشوب و پرفتن ماحول میں نبیؐ اور اس کے اہل ایمان رفقا پر اعتراضات و اختلافات کے وار اور مصائب و شدائد کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں اور تحریک اسلامی کو اپنے خون جگر سے سینچنے والے سرفروشان اسلام کو دلدوز مناظر سے سابقے پیش آتے ہیں۔ ان سنگین حالات میں انھیں خدائی سنت کی تذکیر کرائی جاتی ہے۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ (البقرہ ۲:۲۱۴) "کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم (یونھی) جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے۔ ان پر سختیاں گزریں' مصیبتیں آئیں اور ہلا مارے گئے حتیٰ کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھی اہل ایمان چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی"۔

اس ستیزہ گاہ جہاں میں اللہ تعالیٰ کا قانون آزمایش بلاوجہ نہیں ہے بلکہ انتہائی اہم مقصد پر مبنی ہے اور وہ مقصد ہے' امت مسلمہ کے اندر اس کے منصب و مقام کے مطابق انتہائی دشوار گزار مراحل میں بھی استحکام و دلجمعی کا وصف پیدا کرنا۔ باطل کا وجود اس دنیا کے اندر حباب کا سا ہے' اس کے اندر پنپنے اور نشوونما پانے کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے۔ یہ اگرچہ اپنی اوچھی چالوں اور ذلیل حرکتوں سے حق کے علم برداروں کی راہ میں روڑا بنتا ہے لیکن اگر حق اپنی روشنی پوری طرح بکھیر دے تو باطل کی نظریں خیرہ ہو جاتی ہیں اور بالآخر خیر و شر کی رزم گاہ میں اسے اپنی ہار ماننا پڑتی ہے۔ باطل کی بے بضاعتی اور اس کی شکست خوردگی کا اعلان الک حقیقی کی زبانی سنیے: وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ (سباء ۳۴:۴۹) اور باطل نشوونما نہیں پائے گا اور نہ ہی اپنی شکل میں لوٹے گا۔ اس کے بالمقابل حق کو غلبہ و برتری حاصل ہوتی ہے اور جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ (بنی اسرائیل ۱۷:۸۱) کا روح پرور منظر سرفروشان حق کے نوشتہ تقدیر میں مرقوم ہوتا ہے۔ تاریخ اس صداقت پر ناطق ثبوت ہے کہ شب تاریک کی وحشت و تنہائی کے بطن سے صبح درخشاں نمودار ہوتی ہے۔ ایک طرف آلام و مصائب کے بادل چھٹتے ہوئے نظر آتے ہیں تو دوسری طرف جاں نثاران اسلام کی عزت و سرخروئی کا بول بالا ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ ابتلا و آزمایش سے متعلق قرآن پاک کی سرگذشتیں تحریک اسلامی کے علم برداروں کے لیے مژدۂ جاں فزا ثابت ہوتی ہیں۔

غزوہ احد پر قرآنی تبصرے کی روشنی میں یہ بات عیاں ہے کہ مسلمانوں کو جن ناخوشگوار حالات سے

سابقہ پیش آیا وہ دراصل ان کے اعمال کا نتیجہ تھے۔ غیر متوقع حالات پیش آنے پر وہ گھبرا گئے اور کہہ پڑے کہ ہم پر یہ مصیبت کیسی؟ اس پر رسالت مابؐ کی زبان مبارک سے کہلوایا گیا، قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ (آل عمران ۳:۱۶۵) اے نبیؐ کہہ دیجیے کہ یہ مصیبت خود تم لوگوں کی طرف سے ہے۔ تاہم اس غزوے میں مسلمانوں کی ہزیمت متعدد وجوہ سے فتح و کامرانی کی تمہید ثابت ہوئی۔

مسلک و عقیدہ کی بنیاد پر ہونے والی یہ دوسری جنگ تھی۔ مستقبل میں اسلامی ریاست کے قیام میں مختلف قسم کے نرم و گرم حالات سے سابقہ پیش آنا تھا اس لیے فکر و عقیدہ کو مزید راسخ اور مستحکم کرنے کی ضرورت تھی تاکہ تحریک اسلامی کے علم بردار مستقبل کے کسی ناخوشگوار واقعہ سے قنوطیت کے شکار نہ ہوں۔ جنگ احد کی ہزیمت کو اگر اس پس منظر میں دیکھا جائے تو یہاں تحریک اسلامی کو فکری اور اخلاقی تربیت کا خاصا مواد فراہم ہوتا ہے۔

غزوۂ بدر کی شان دار فتح کے نتیجے میں مومنین میں بعض ایسے حضرات موجود تھے جو غیر ضروری اعتماد کا شکار ہو گئے تھے۔ انھیں تصویر کے دوسرے رخ کا مشاہدہ کرایا گیا کہ اللہ ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اگر بدر میں تم لوگوں نے فتح و نصرت کا پرچم لہرایا تو یہ خدائے ذوالجلال کی قدرت کا کرشمہ تھا نہ کہ تمھاری محنتوں اور کوششوں کا نتیجہ۔ اس پہلو سے اس جنگ کی ظاہری ہزیمت میں اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت نظر آتی ہے۔

غزوہ احد کے وقوعے تک مخلص اور مفاد پرست عناصر میں فرق و امتیاز مشکل تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ ایمان کے لحاظ سے بعض کمزور افراد بربنائے مصلحت اپنا رشتہ اسلام سے جوڑے ہوئے تھے لیکن غزوۂ احد میں مسلمانوں کی شکست کے نتیجے میں وہ مومنین و مخلصین کی صفوں سے نکل کر دشمنان دین کی صفوں میں جا ملے۔ اس طرح احد کے وقوعے سے خیر کا پہلو نکل کر سامنے آیا۔ تحریک اسلامی کے علم برداروں کو یہ موقع ہاتھ آیا کہ وہ اپنوں اور غیروں کو اچھی طرح سمجھ لیں تاکہ آیندہ اللہ کے دین کی سرخروئی کی جدوجہد میں اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح ۴۸:۲۹) کے عملی پیکر بن کر رزم گاہ حق و باطل میں اپنے جوہر دکھا سکیں۔ اس سیاق و سباق میں یہی ہار علم برداران تحریک کی فتح و کامرانی اور تحریک کی بازیابی کا سامان بن گئی۔ اس ابتلا و آزمایش کی مصلحت قرآن کی زبانی سنیے: وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا (آل عمران ۳:۱۶۶-۱۶۷)

دوسری سرگذشت ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی۔ آپؑ کفر و شرک اور الحاد و بے دینی کے ماحول میں آنکھیں کھولتے ہیں۔ فطرت صالحہ پر قائم رہتے ہوئے آفاق و انفس کی نشانیوں پر غور کرتے ہیں، بالآخر توحید کی شمع ان کے دل میں گھر کر لیتی ہے۔ اب وہ توحید کی امانت اپنے سینے میں رکھ کر کسی لومتہ لائم کی پروا کیے بغیر گھر، خاندان اور معاشرے کو دعوت حق کا پیغام گوش گزار کرتے ہیں۔ وقت کا موحد اعظم دعوت حق

کی راہ میں گھر، خاندان، ماحول اور معاشرے حتیٰ کہ حکومت وقت کی تمام مشکلات کا خیر مقدم کرتا ہے اور بالآخر سب سے رشتہ ناطہ توڑ کر خالق حقیقی کے لیے نماز و قربانی اور جینے اور مرنے کو وطیرۂ حیات قرار دے لیتا ہے۔ اللہ کے دین کی اشاعت و سرفرازی میں عمر کی بیشتر بہاریں گزر چکی ہوتی ہیں لیکن اب یہ فکر ہوتی ہے کہ میرے بعد دین حنیف کا بیڑا کون اٹھائے گا۔ چنانچہ آپ دعاؤں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ بالآخر آپ حضرت اسماعیل جیسے فرزند ارجمند سے نہال ہوتے ہیں۔ یہاں بھی آزمایش سے نہیں بچتے اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے کہ اپنے لخت جگر کو اس کی ماں کے ساتھ وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ دو۔ اس کے بعد آزمایش کے مرحلہ عظیم سے سابقہ پیش آتا ہے۔ خواب میں دکھایا جاتا ہے کہ اپنی عزیز ترین چیز کو میری راہ میں قربان کر دو۔ پھر کیا تھا، بیٹے کی گزارش پر باپ نے اس کے ہاتھوں اور پیروں کو رسی سے باندھ دیا اور اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لی اور چھری گردن پر رکھ دی۔ مشیت الٰہی جوش میں آئی اور حضرت ابراہیم کو اس ابتلا و آزمایش میں کامیابی کی بشارت ملی، قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (الصّٰفّٰت ۳۷: ۱۰۵) اے ابراہیم، تو نے خواب سچ کر دکھایا ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ کو بیٹے کی قربانی مقصود نہیں تھی بلکہ آزمایش کی بھٹیوں سے گزار کر حضرت ابراہیمؑ کی عزت و سرخروی مقصود تھی اور باپ اور بیٹے کے تاریخی کردار کو دنیائے انسانیت کے لیے نمونہ للہیت بنانے کی مصلحت کارفرما تھی۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ، وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ، وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ، سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ، كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (الصّٰفّٰت ۳۷: ۱۰۶-۱۰۹) یقیناً یہ ایک کھلی آزمایش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا اور اس کی تعریف و توصیف ہمیشہ کے لیے آنے والی نسلوں میں چھوڑ دی۔ سلام ہے ابراہیمؑ پر، ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔

ابتلا و آزمایش سے متعلق قرآن پاک کی سرگذشتوں میں حضرت یوسفؑ کی سرگذشت بھی قابل ذکر ہے۔ قرآن کے بیانات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ کو ان کے عین شباب میں حسن و جمال کی پیکر، عزیز مصر کی ملکہ زلیخا نے دعوت عیش و طرب دی، لیکن انھوں نے رب ذوالجلال کے برہان عظیم اور اس کے بے پایاں رحم و کرم کے طفیل میں جس دلنشیں دعوتی انداز میں اس کو ٹھکرایا اس کی مثال نہیں ملتی۔ حضرت یوسفؑ کی معذرت ملاحظہ فرمایئے: قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ (یوسف ۱۲: ۲۳) یوسفؑ نے کہا "خدا کی پناہ، میرے رب نے مجھے اچھی منزلت بخشی (اور میں یہ کام کروں)۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس عظیم داعی حق کے لیے یہ ایک روح فرسا منظر تھا جس سے دامن چھڑا کر اپنی منزل مقصود کی طرف رواں دواں رہنا تھا۔ اس دشوار گزار مرحلے سے گزارنے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور اپنے مخلص بندے کی عزت و توقیر کی سند یوں دیتا ہے، كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ (یوسف ۱۲: ۲۴)

ایسا ہوا تاکہ ہم اس سے بدی و بے حیائی کو پھیر دیں بلاشبہ وہ ہمارے چنیدہ بندوں میں سے تھا۔ اور ہوا بھی یہی کہ آزمایش کی اس بھٹی میں تپ کر وہ اور خالص ہو گئے اور مستقبل میں کوئی سازش ان کے پایۂ ثبات میں لغزش نہ لا سکی۔ سید مودودیؒ اس کے متعلق کہتے ہیں:

"اب یہ ظاہر ہے کہ جو خواتین کرام ایک حسین غلام کے آگے بچھی جا رہی ہیں وہ ایک جواں اور خوبصورت فرمانروا کو پھانسنے اور بگاڑنے کے لیے کیا نہ کر گزرتیں۔ اس کی پیش بندی اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمائی کہ ایک طرف تو ابتدا ہی میں اس آزمایش سے گزار کر حضرت یوسفؑ کو پختہ کر دیا اور دوسری طرف خود خواتین مصر کو بھی ان سے مایوس کر کے ان کے سارے فتنوں کا دروازہ بند کر دیا" (تفہیم القرآن جلد دوم، ص ۳۹۴)۔

حضرت یوسفؑ کے اس مومنانہ وصف اور جرات مندانہ اقدام کو حکام سلطنت اور امرائے مصر ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہ کر سکے۔ چنانچہ خواتین مصر کی ترغیبات اور ارباب سلطنت کی مذموم خواہشات کا کھلونا نہ بننے اور صبر و استقامت کی روش پر گامزن رہنے کے نتیجے میں انھیں سزائے قید کی صعوبتیں بھی جھیلنا پڑیں۔ قید و بند کی یہ سزا فکر و نظر کی وسعت اور خدائے بزرگ و برتر کی حکمت و مصلحت سمجھے بغیر واقعی ایک مخلص داعی حق پر ظلم و جور کی علامت بن جاتی ہے لیکن حسینان مصر اور حکام سلطنت کی منظم اور مذموم سازشوں کے پس منظر میں دیکھا جائے تو یہ خدائی سنت نظر آتی ہے، اس سزائے قید و بند سے خواتین مصر اور ظالم حکمرانوں کے دلوں پر داعی حق کی عظمت کا سکہ بیٹھ گیا، انھوں نے اخلاقی شکست مان لی اور آیندہ کے لیے اس ظالم معاشرے کے سامنے اس داعی حق کی شخصیت منزہ ہو کر آگئی۔

راہ حق میں جن جن مشکلات سے بھی سابقہ پیش آتا ہے یہ تمام کی تمام خالق حقیقی کے اصول آزمایش کے مظاہر ہوتے ہیں۔ اللہ عزوجل کے لیے یہ مستبعد نہیں تھا کہ وہ اپنے مخلص بندوں کو تمام قسم کی آفات و بلیات سے نجات دلا کر نوازش و کرم کا معاملہ فرماتا اور دعوت دین کی راہ میں حائل تمام موانع و مشکلات کا سدباب کر کے اپنے تمام بندوں کو جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام کر دیتا۔ لیکن یہ دنیا دارالعمل ہے یہاں ہر شخص ابتلا کے مرحلے سے دوچار ہے۔ وہ جیسے بھی عمل کرے گا وہ دارالجزا (دوسری اور ابدی زندگی) میں اس کا پورا پورا بدلہ پائے گا۔ مزید برآں وہ یہ جاننا چاہتا ہے کہ کون بندۂ خدا مشکل ترین اور دشوار گزار مراحل میں بھی اللہ واحد کے پرستار ہونے کا ثبوت دیتا ہے اور کون تمام قسم کی راحتوں اور آسائشوں کے باوجود اللہ کا باغی و سرکش بن جاتا ہے۔ انھی اصولوں کے محور پر اللہ تعالیٰ کا قانون آزمایش گردش کرتا ہے۔ اس باب میں قرآن مجید کی آیتیں اللہ تعالیٰ کے ان بندوں سے بھی متعلق ہیں جو ایمان و ایقان کی بیش بہا دولت سے متمتع ہوتے ہیں اور اللہ کے دین کے غلبہ و سرفرازی میں کوشاں رہتے ہیں اور ان بندگان خدا سے متعلق

بھی ہیں جو ایمان و ایقان کی نعمت عظمیٰ سے محروم ہوتے ہیں اور دانستہ یا نادانستہ خدا کی زمین پر خدا سے بغاوت و سرکشی کا رویہ اپناتے ہیں۔ اعلائے کلمۃ اللہ اور اظہار دین کی عظیم اور انتہائی مقدس مہم میں کامیابی صبر و استقامت کی شاہراہ پر گامزن رہے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے کہ مصیبتیں اور پریشانیاں اس راہ کے انتہائی ناگزیر مراحل ہیں۔ قرآن ببانگ دہل اس حقیقت کا اعلان کرتا ہے۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ (البقرہ ۲: ۱۵۵) ہم یقیناً خوف، بھوک، مالوں اور پھلوں میں نقصان دے کر تمھیں آزمائیں گے۔ دوسری جگہ گروہ مومنین کو گوش گزار کرایا گیا۔ لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا (آل عمران ۳: ۱۸۶) تم لوگ ضرور مال و جان میں آزمائے جاؤ گے اور یقیناً اہل کتاب اور مشرکین سے بڑی تکلیف دہ باتیں سنو گے۔

اسلام ایک عملی مذہب ہے۔ اگر قول و فکر کے مطابق عمل نہیں ہے تو یہ بے معنی اور بارگاہ ایزدی میں بے وزن ہے بلکہ عمل سے عاری محض کے قول کو انتہائی شنیع و ناپسندیدہ ٹھہرایا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ (الصف ۶۱: ۲، ۳) اے ایمان لانے والو! تم وہ باتیں کیوں کہتے ہو جو نہیں کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ انتہائی ناپسندیدہ ہے کہ تم وہ باتیں کہو جن پر تم عمل نہیں کرتے ہو۔ قول و عمل میں تضاد و اختلاف کی بنا پر ہی کلمہ گو لوگوں کو منافقین کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور انھیں اسلام کے واضح دشمنوں سے زیادہ مہلک بتایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سب سے زیادہ عتاب و عذاب کا مستحق قرار دیا گیا۔ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النساء ۴: ۱۴۵) بلاشبہ منافقین جہنم کے نچلے درجے میں ہوں گے۔ خوشنودی رب کا پروانہ حاصل کرنا بندۂ مومن کی محبوب ترین متاع ہے۔ اس کے حصول کی راہ میں طرح طرح کی مشکلات پیش آئیں گی، طنز و تشنیع کی جائے گی، اپنوں اور غیروں کی طرف سے اعتراضات و اختلافات کے وار کیے جائیں گے، یہاں تک کہ حکومت وقت کی ستم رانیوں کا نشانہ بننا پڑے گا، لیکن یہ سارے مراحل ابتلا و آزمایش کے ہوتے ہیں۔ اگر داعی حق کے قدم ان میں ڈگمگا جائیں تو ایک طرف رضائے الٰہی حاصل کرنے سے قاصر رہتا ہے اور دوسری طرف اس چند روزہ زندگی میں انعام و اکرام سے محرومی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ صبر و ثبات کی ڈگر پر چلتے ہیں آلام و مصائب کی نعمت سے سرشار ہونے کے ساتھ ساتھ اس چند روزہ زندگی کی شاد کامیاں بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ابتلا و آزمایش کے اصول کی یقین دہانی کے بعد ثابت قدم رہنے والوں کو یہ بشارت دیتا ہے، أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ (البقرہ ۲: ۱۵۷) ایسے ہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی عنایتیں اور مہربانیاں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یاب ہیں۔ مصیبت کا اسلامی فلسفہ

قرآن دوسری جگہ یوں واضح کرتا ہے: مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ (التغابن ۱۱:۶۴) کوئی بھی مصیبت اللہ کے ن کے بغیر نہیں آتی اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اللہ اسے ہدایت بخشتا ہے۔ خوشنودی رب کا حصول ہی بندۂ مومن کا واحد اور محبوب ترین مقصد ہے' جس کے طفیل میں ایک مومن جہنم کے دہکتے ئے شعلوں سے نجات بھی حاصل کرتا ہے اور اس فنا پذیر اور زوال آشنا دنیا کی لذتیں بھی۔ لیکن اصل اور حتمی کامیابی آخرت کی ہی کامیابی ہے اور یہی بندۂ مومن کی کامیابی کی معراج ہے۔ حصول جنت کے لیے اہل ایمان کو شدائد و محن کی وادیاں سر کرنا پڑتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے قانون آزمایش کے تحت۔ دخول جنت اور شیدایان اسلام پر مصائب و مشکلات سے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنیے: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ (آل عمران ۱۴۲:۳) کیا تم گوں نے سمجھ لیا ہے کہ (یونھی) جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے جہاد کرنے والوں اور (آلام و مصائب پر) صبر کرنے والوں کو اب تک نہیں جانا۔

دنیا میں انسانی دوڑ دھوپ کا ماحصل اولاد کی خوشحالی اور ان کی فلاح و بہبود ہے اور مال و دولت کا حصول اس مقصد کی تکمیل میں مرکز و محور کی حیثیت رکھتا ہے۔ چونکہ ابتلا و آزمایش کا الٰہی اصول خوشگوار و ناخوشگوار حالات کے دونوں پہلوؤں پر مشتمل ہے اس لیے دنیا اور سامان دنیا کی بے ثباتی کے باوجود بندگان خدا کو مال' اولاد اور سامان آزمایش کے طور پر دیے گئے ہیں۔ اس پہلو سے اسلام کے کسی نام لیوا یا علم بردار کی بھی آزمایش ہوتی ہے اور کفر کے حامی و مددگار کی بھی۔ اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے مال و اولاد کی حقیقت بیان کی جاتی ہے' اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (التغابن ۱۵:۶۴) تمھارے مال و اولاد محض سامان آزمایش ہیں اور اجر عظیم اللہ کے پاس ہے۔ ایک جگہ ذکر الٰہی کو عظیم ترین سرمایہ قرار دیتے ہوئے مال و اولاد کی فتنہ انگیزیوں سے خبردار کیا جاتا ہے' يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (المنافقون ۹:۶۳) اے ایمان لانے والو' تمھارے مال اور تمھاری اولاد تمھیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں اور جن لوگوں نے ایسا کیا پس وہی لوگ خسارے میں پڑنے والے ہیں۔ مال و اولاد کی چاہت اور اس کے حصول کی کوشش غیر مطلوب نہیں ہے۔ ہاں جائز طریقے سے ان کا حصول اور خوشنودی الٰہی میں ان کا استعمال مقصود ہے۔ اللہ رب العزت کی بتائی گئی حدود و قیود کا لحاظ کرتے ہوئے اور ہر معاملہ زندگی میں اس کے احکام و قوانین کا پاس و لحاظ رکھتے ہوئے اگر ایک بندۂ مومن اس عارضی دنیا میں ان سے متمتع ہوتا ہے تو دراصل یہ اس کی ان شبانہ روز دعاؤں کا ثمرۂ خیر بن جاتا ہے جن میں آخرت کی کامیابی کے ساتھ ہی ساتھ وہ دنیا کے خیر و حسن کا طلب گار ہوتا ہے۔ احکام الٰہی کی تعمیل اور خدا کے دین کی سرفرازی کی راہ میں صرف ہونے والے جان و مال' فلاح و کامیابی کی راہ کا قیمتی اثاثہ

بن جاتے ہیں۔ لٰكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا مَعَهٗ جٰهَدُوا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (التوبہ ۹:۸۸) لیکن رسولؐ اور اس کے اہل ایمان ساتھیوں نے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا اور انھی کے لیے خیرات و حسنات ہیں اور وہی لوگ فلاح یاب ہیں۔

اس جہان آب و گل میں اللہ رب العزت سے بغاوت و سرکشی کی روش اختیار کرنے والوں کی خوشحالی و فارغ البالی بھی اللہ کے قانون آزمایش کے مطابق ہے۔ چونکہ اصل خالق اور حقیقی رازق اللہ کی ہی ذات ہے' اس لیے ایک طرف ابتلا و آزمایش کے قرآنی اصول اور دوسری طرف نشان رزّاقیت کے تقاضاؤں کے تحت یہ ضروری تھا کہ منکرین اور باغیوں کو بھی اسباب زندگی اور علائق دنیا سے متمتع ہونے کا موقع دیا جائے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اہل ایمان رفقا کی کشادگی رزق اور ان کی جائے قیام کو امن و سکون کا گہوارہ بنانے کی عرضی جب بارگاہ رب العزت میں پیش کی تو خالق دوجہاں اور رازق حقیقی کی طرف سے یہ فرمان صادر ہوتا ہے۔ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ (البقرہ ۲:۱۲۶) اور جو کفر کرے گا تھوڑے دنوں تک اسے بھی نفع پہنچاؤں گا پھر اس کو گھسیٹ کر عذاب جہنم تک لے آؤں گا۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ بندوں کے کفرو شرک اور عناد و سرکشی کے باوجود ان کی خوشحالی و فارغ البالی کی مصلحت بتاتا ہے۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (آل عمران ۳:۱۷۸) اور کفار یہ گمان نہ کریں کہ ہم انھیں مہلت دے رہے ہیں تو یہ ان کے لیے خیر ہے۔ ہم تو انھیں مہلت اس لیے دے رہے ہیں کہ وہ گناہ کے اعتبار سے اور بڑھ جائیں اور ان کے لیے ایک اہانت آمیز عذاب (مقدر) ہے۔ اسی حقیقت کی وضاحت سورۃ القلم میں فرمائی گئی۔ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ (القلم: ۴۴' ۴۵) ان کو بتدریج تباہی کی طرف اس طرح لیے جا رہے ہیں کہ انھیں معلوم نہیں ہے۔ میں انھیں مہلت دے رہا ہوں یقیناً میری پکڑ مضبوط ہے۔ ایک دوسری جگہ قرآن بتاتا ہے کہ کفرو شرک کے رویہ پر قائم رہنے والوں کے لیے شان و شوکت کا حصول اور مال و اولاد کی فراخی دوسروں کو دعوت نظارہ تو دے سکتی ہے لیکن فی الحقیقت خود ان کے لیے سودمند اور نفع بخش نہیں ہے' اور نہ ہی یہ اللہ کی طرف سے انھیں کسی معاملے میں مستغنی و بے نیاز بنا سکتی ہے۔ اس باب میں قرآن پاک کا اعلان سنیے: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا (آل عمران ۳:۱۱۶) بلاشبہ کافروں کو ان کے مال و اولاد اللہ کی کسی چیز سے ہرگز بے نیاز نہیں کریں گے۔

ابتلا و آزمایش کے ضمن میں یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیے کہ نوع انسان کی تخلیق کی غرض و غایت ہی آزمایش ہے۔ خواہ مومنین و مخلصین کا گروہ ہو یا مشرکین و منافقین کا' ہر ایک امتحان و آزمایش کی گھڑی

سے دوچار ہے۔ ہاں خدا ترسی اور خدا شناسی کی کسوٹی پر اترتے ہوئے جو گروہ جتنا معزز و محترم ہے اس کی آزمایش بھی اتنی ہی سخت اور دشوار کن ہے۔ اور اس کے منصب و مقام کے پیش نظر اس کی ذمہ داریاں بھی زیادہ ہوتی ہیں۔ دین کی امانت کا بار اسی معزز گروہ کے افراد کے کاندھوں پر ہوتا ہے۔ انسانیت تک اس امانت الٰہی کو منتقل کرنے کے مقدس مشن کی تکمیل میں شدائد و محن اور مصائب و مشکلات ناگزیر ہیں۔ چنانچہ حق کے مقابلے میں باطل اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ اس ستیزہ گاہ جہاں میں جلوہ گر ہوتا ہے اور مصائب و مشکلات کے وار کے ذریعے علم برداران حق کے پایہ استقلال میں لغزش پیدا کر کے فتح و کامرانی کا سہرا اپنے سر باندھنا چاہتا ہے۔ اس لیے دین حق کے شیدائیوں کو صبر و عزیمت کی راہوں سے گزار کر پختہ کرنا سرتاپا حکمت خداوندی پر مبنی ہے۔ چنانچہ خوف و ہراس' مال و اولاد اور پھلوں کے تلف و ضیاع اور دوسری آفات و بلیات کے ذریعہ بندگان خدا کی آزمایش میں حکیم مطلق کی حکمت واضح نظر آتی ہے۔ جہاں تک اسباب دنیا نواز کر آزمایش کی بات ہے وہ بھی ایک حقیقت ہے۔ اگر ایک بندۂ خدا' اللہ تعالیٰ کے احکام و فرامین کے مطابق اور اس کی رضا کا طالب بنتے ہوئے مال و اولاد اور دیگر علائق دنیا کا استعمال کرتا ہے تو یہ اس کے شرف و عظمت اور سعادت و کامرانی کا موجب بنتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ بندۂ خدا جو بغاوت و سرکشی اختیار کرتے ہوئے اموال و اسباب کو تفریح طبع اور عیش کوشی کے لیے استعمال کرتا ہے وہ بڑا ہی محروم القسمت ہوتا ہے۔ وہ آخرت کی حقیقی اور لازوال مسرتوں سے دور رہتا ہے اور بسااوقات نمونہ عبرت کے طور پر اسے اللہ رحمان و رحیم اور حکیم مطلق کی مشیت کے مطابق اپنی ہلاکت و بربادی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

تزکیہ و تربیت

نفس کے فریب

ابو الحسن علی ندوی

[احیا علوم الدین میں] امام غزالیؒ نے طبقہ علما و طبقہ سلاطین و حکام کے علاوہ عام زندگی کا بھی جائزہ لیا ہے' اس میں جس قدر غیردینی عناصر' بدعات و منکرات' مغالطے اور خود فریبیاں داخل ہو گئی ہیں ان کی تنقید کی ہے۔ احیا العلوم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علمی اشتغال اور عالمانہ زندگی کے باوجود وہ اس وقت کی سوسائٹی اور عام زندگی سے واقف ہیں اور ان کا زندگی کا مطالعہ بڑا وسیع اور ہمہ گیر ہے۔ انھوں نے مسلمانوں کی عمومی زندگی اور امت کے مختلف طبقات اور ان کی مختلف بیماریاں اور کمزوریوں کی جو نشاندہی کی ہے' اس سے ان کی قوت مشاہدہ اور قوت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ انھوں نے ایک مستقل باب ان منکرات کی تفصیل میں لکھا ہے جو عادات میں داخل ہو چکے ہیں' اور لوگوں کو ان کا منکر (خلاف شرع و اخلاق) ہونا محسوس نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں انھوں نے پوری شہری زندگی پر نظر ڈالی ہے اور اس کے نمایاں منکرات کا تذکرہ کیا ہے' اور مساجد سے لے کر بازاروں' سڑکوں' حمام اور دعوت کی محفلوں تک کے منکرات کو شمار کر دیا ہے (جلد ثانی' ص ۲۹۴-۲۹۹)

انھوں نے احیا العلوم کا ایک مستقل حصہ (کتاب ذم الغرور) ان لوگوں کے متعلق لکھا ہے جو مختلف قسم کے مغالطوں اور فریب نفس میں مبتلا ہیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے ہر طبقہ کے فریب خوردہ اشخاص اور ان کی غلط فہمیوں اور خود فریبیوں کا حال بیان کیا ہے اور ان کے بعض ایسے نفسیاتی امراض اور خصوصیات کا ذکر کیا ہے' جن کو صرف ایک دقیق النظر مصلح اور ایک تجربہ کار ماہرِ نفسیات ہی دیکھ سکتا ہے۔ اس باب میں انھوں نے علما' عباد و زہاد' امرا و اغنیا اور اہل تصوف سب کا جائزہ لیا ہے' اور سب کے خصوصی امراض اور بے اعتدالیوں کا پردہ فاش کیا ہے' اور ہر ایک کے متعلق بڑے پتے کی باتیں لکھی ہیں جس سے ان کی ذہانت' دقیقہ رسی اور حقیقت شناسی کا اندازہ ہوتا ہے۔

ان کے زمانے کے علما نے جن جن علوم کے اشتغال میں حد سے تجاوز کر رکھا تھا' مثلاً فقہی جزئیات و خلافیات' علم کلام و مباحثہ و مجادلہ' وعظ و تذکیر' علم حدیث اور اس کے متعلقات نحو' لغت' شعر و مفردات کی

تحقیق و حفظ میں غلو و مبالغہ اور زاہدوں کے ملفوظات و حالات کے یاد رکھنے پر اکتفا۔ اس سب پر انھوں نے تنقید کی' اور ان کو اپنے ان مضامین کے بارے میں جو غلط فہمی اور خوش گمانی تھی' اس کی تحقیق کی' اور حقیقت حال بیان کی' اور آخر میں اپنا یہ تجربہ بیان کیا' جو بالکل قرین قیاس ہے' کہ "دنیاوی علوم مثلاً طب و حساب اور صنعتوں کے علم میں اس قدر خوش گمانی اور خود فریبی نہیں ہے جتنی علوم شرعیہ میں ہے' اس لیے کہ کسی شخص کا یہ خیال نہیں ہے کہ دنیاوی علوم فی نفسہ ذریعہ مغفرت ہیں' بخلاف علوم شرعیہ کے کہ وہ اپنے نتائج و مقاصد سے قطع نظر کر کے بجائے خود بھی ذریعہ مغفرت و تقرب سمجھے جاتے ہیں (ج ۳' ص ۲۴۳)۔ اپنے زمانے کے عباد و زہاد اور اہل تصوف کو بھی انھوں نے بڑی گہری نظر سے دیکھا ہے اور ان کی بڑی باریک باریک کوتاہیوں' خوش فہمیوں اور خود فریبیوں کو محسوس کیا ہے' ان کے بہت سے ظاہری اعمال و رسوم کی تہ میں ان کو نفس پرستی' جاہ طلبی' ریاکاری' ظاہری نقالی اور بے روح رسمیت نظر آئی ہے' اور انھوں نے بڑی صفائی کے ساتھ اس کو ظاہر کر دیا (ج ۳' ص ۳۴۵ تا ۳۵۰)۔

اہل دولت اور اغنیا پر بھی انھوں نے بڑی صحیح گرفت کی ہے' اور اس سلسلے میں ان کے قلم سے حقائق نکل گئے ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

"ان دولت مندوں میں بہت سے لوگوں کو حج پر روپیہ صرف کرنے کا بڑا شوق ہے' وہ بار بار حج کرتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو بھوکا چھوڑ دیتے ہیں' اور حج کرنے چلے جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے صحیح فرمایا ہے کہ اخیر زمانہ میں بلاضرورت حج کرنے والوں کی کثرت ہو گی۔ سفر ان کو بہت آسان معلوم ہو گا' روپیہ کی ان کے پاس کمی نہ ہو گی' وہ حج سے محروم و تہی دست واپس آئیں گے' وہ خود ریتوں اور چٹیل میدانوں کے درمیان سفر کرتے ہوں گے' اور ان کا ہمسایہ ان کے پہلو میں گرفتار بلا ہو گا' اس کے ساتھ کوئی سلوک اور غم خواری نہیں کریں گے"۔

"ابو نصر تمار کہتے ہیں کہ ایک شخص بشر بن الحارث کے پاس آئے اور کہا کہ میرا قصد حج کا ہے' آپ کا کچھ کام ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ تم نے خرچ کے لیے کیا رکھا ہے؟ اس نے کہا دو ہزار درہم' بشر نے کہا کہ تمھارا حج سے مقصد کیا ہے' اظہار زہد یا شوق کعبہ یا طلب رضا' اس نے کہا طلب رضا۔ انھوں نے فرمایا کہ اچھا اگر میں تمھیں ایسی تدبیر بتلا دوں کہ تم گھر بیٹھے اللہ کی رضا حاصل کر لو' اور تم یہ دو ہزار درہم خرچ کر دو' اور تم کو یقین ہو کہ اللہ کی رضا حاصل ہو گئی تو کیا تم اس کے لیے تیار ہو؟ اس نے کہا بخوشی۔ فرمایا کہ اچھا پھر جاؤ' اس مال کو ایسے دس آدمیوں کو دے آؤ جو مقروض ہیں وہ اس سے اپنا قرض ادا کر دیں' فقیر اپنی حالت درست کرے' صاحب عیال اپنے بال بچوں کا سامان کرے' یتیم کا منتظم یتیم کو کچھ دے کر اس کا دل خوش کرے اور اگر تمھاری طبیعت گوارا کرے تو ایک ہی کو پورا مال دے آؤ اس لیے کہ مسلمان کے دل کو

خوش کرنا' بے کس کی امداد' کسی کی مصیبت دور کرنا' کمزور کی اعانت سو نفلی حج سے افضل ہے' جاؤ جیسا میں نے تم سے کہا ہے ویسا ہی کر کے آؤ ورنہ اپنے دل کی بات ہم سے کہہ دو۔ اس نے کہا کہ شیخ سچی بات یہ ہے کہ سفر کا رجحان غالب ہے۔ بشر سن کر مسکرائے اور فرمایا کہ مال جب گندہ اور مشتبہ ہوتا ہے تو نفس تقاضا کرتا ہے کہ اس سے اس کی خواہش پوری کی جائے' اور وہ اس وقت اعمال صالحہ کو سامنے لاتا ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے عہد فرمایا ہے کہ صرف متقین کے عمل کو قبول فرمائے گا" (ج ۳' ص ۳۵۴)۔

"دولت مندوں کا ایک گروہ بربنائے بخل دولت کی حفاظت میں مشغول رہتا ہے اور ایسی بدنی عبادات سے اس کو دلچسپی ہوتی ہے جس میں کچھ خرچ نہیں' مثلاً دن کا روزہ' رات کی عبادت اور ختم قران۔ وہ بھی فریب میں مبتلا ہیں۔ اس لیے کہ مہلک بخل ان کے باطن پر مستولی ہے' اور اس کے ازالہ کے لیے مال کے خرچ کرنے کی ضرورت ہے' لیکن وہ ایسے اعمال میں مشغول ہیں جس کی ان کو کوئی خاص ضرورت نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص کے کپڑے کے اندر سانپ گھس گیا ہے' اور اس کا کام تمام ہونے والا ہے' اور وہ سکنجبین کے تیار کرنے میں مشغول ہے تاکہ صفرا کو تسکین ہو۔ حالانکہ جو سانپ کا مارا ہے' اس کو سکنجبین کی ضرورت کب پڑے گی؟ بشر سے کسی نے کہا کہ فلاں دولت مند کثرت سے روزے رکھتا ہے' اور نمازیں پڑھتا ہے' انھوں نے فرمایا کہ بیچارہ اپنا کام چھوڑ کر دوسروں کے کام میں مشغول ہے' اس کے مناسب حال تو یہ تھا کہ بھوکوں کو کھانا کھلاتا' مساکین پر خرچ کرتا۔ یہ اس سے افضل تھا کہ اپنے نفس کو بھوکا رکھتا ہے' اور اپنے لیے (نفلی) نمازیں پڑھتا ہے' اور ساتھ ہی ساتھ دنیا بھی سمیٹنے میں مشغول ہے' اور فقیر کو محروم رکھتا ہے" (ج ۳' ص ۳۵۶)۔

عوام کے امراض اور خود فریبیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عوام' دولت مندوں اور فقرا میں سے کچھ لوگ ہیں جن کو مجالس وعظ کی شرکت سے دھوکا لگا ہے۔ ان کا اعتقاد ہے کہ محض ان مجالس میں شرکت کافی ہے۔ انھوں نے اس کو ایک معمول بنا لیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ عمل اور نصیحت پذیری کے بغیر بھی محض مجلس وعظ میں شرکت باعث اجر ہے۔ وہ بڑے دھوکے میں مبتلا ہیں۔ اس لیے کہ مجلس وعظ کی فضیلت محض اس لیے ہے کہ اس سے خیر کی ترغیب ہوتی ہے۔ اگر اس سے خیر کی آمادگی اور اس کا جذبہ نہیں پیدا ہوتا تو اس میں کچھ خیر نہیں۔ رغبت بھی اس لیے محمود ہے کہ وہ عمل کی محرک ہے۔ اگر اس میں عمل پر آمادہ کرنے کی قوت نہیں' تو اس میں بھی کوئی خیر نہیں۔ جو چیز کسی مقصد کا ذریعہ ہوتی ہے اس کی قیمت محض مقصد کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے ہے' اگر وہ مقصد اس سے پورا نہ ہو تو وہ بے قیمت ہے۔ کبھی واعظ سے مجلس وعظ اور گریہ و بکا کی فضیلتیں سن سن کر اس کو دھوکا ہوتا ہے' کبھی کبھی اس پر عورتوں کی طرح ایسی رقت طاری ہوتی ہے' اور وہ رونے لگتا ہے' لیکن عزم کا کہیں پتا

خوش کرنا' بے کس کی امداد' کسی کی مصیبت دور کرنا' کمزور کی اعانت سو نفلی حج سے افضل ہے' جاؤ جیسا میں نے تم سے کہا ہے ویسا ہی کر کے آؤ ورنہ اپنے دل کی بات ہم سے کہہ دو۔ اس نے کہا کہ شیخ سچی بات یہ ہے کہ سفر کا رجحان غالب ہے۔ بشر سن کر مسکرائے اور فرمایا کہ مال جب گندہ اور مشتبہ ہوتا ہے تو نفس تقاضا کرتا ہے کہ اس سے اس کی خواہش پوری کی جائے' اور وہ اس وقت اعمال صالحہ کو سامنے لاتا ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے عہد فرمایا ہے کہ صرف متقین کے عمل کو قبول فرمائے گا" (ج ۳' ص ۳۵۴)۔

"دولت مندوں کا ایک گروہ بربنائے بخل دولت کی حفاظت میں مشغول رہتا ہے اور ایسی بدنی عبادات سے اس کو دلچسپی ہوتی ہے جس میں کچھ خرچ نہیں' مثلاً دن کا روزہ' رات کی عبادت اور ختم قران۔ وہ بھی فریب میں مبتلا ہیں۔ اس لیے کہ مہلک بخل ان کے باطن پر مستولی ہے' اور اس کے ازالہ کے لیے مال کے خرچ کرنے کی ضرورت ہے' لیکن وہ ایسے اعمال میں مشغول ہیں جس کی ان کو کوئی خاص ضرورت نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص کے کپڑے کے اندر سانپ گھس گیا ہے' اور اس کا کام تمام ہونے والا ہے' اور وہ سکنجبین کے تیار کرنے میں مشغول ہے تاکہ صفرا کو تسکین ہو۔ حالانکہ جو سانپ کا مارا ہے' اس کو سکنجبین کی ضرورت کب پڑے گی؟ بشر سے کسی نے کہا کہ فلاں دولت مند کثرت سے روزے رکھتا ہے' اور نمازیں پڑھتا ہے' انھوں نے فرمایا کہ بیچارہ اپنا کام چھوڑ کر دوسروں کے کام میں مشغول ہے' اس کے مناسب حال تو یہ تھا کہ بھوکوں کو کھانا کھلاتا' مساکین پر خرچ کرتا۔ یہ اس سے افضل تھا کہ اپنے نفس کو بھوکا رکھتا ہے' اور اپنے لیے (نفلی) نمازیں پڑھتا ہے' اور ساتھ ہی ساتھ دنیا بھی سمیٹنے میں مشغول ہے' اور فقیر کو محروم رکھتا ہے" (ج ۳' ص ۳۵۶)۔

عوام کے امراض اور خود فریبیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عوام' دولت مندوں اور فقرا میں سے کچھ لوگ ہیں جن کو مجالس وعظ کی شرکت سے دھوکا لگا ہے۔ ان کا اعتقاد ہے کہ محض ان مجالس میں شرکت کافی ہے۔ انھوں نے اس کو ایک معمول بنا لیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ عمل اور نصیحت پذیری کے بغیر بھی محض مجلس وعظ میں شرکت باعث اجر ہے۔ وہ بڑے دھوکے میں مبتلا ہیں۔ اس لیے کہ مجلس وعظ کی فضیلت محض اس لیے ہے کہ اس سے خیر کی ترغیب ہوتی ہے۔ اگر اس سے خیر کی آمادگی اور اس کا جذبہ نہیں پیدا ہوتا تو اس میں کچھ خیر نہیں۔ رغبت بھی اس لیے محمود ہے کہ وہ عمل کی محرک ہے۔ اگر اس میں عمل پر آمادہ کرنے کی قوت نہیں' تو اس میں بھی کوئی خیر نہیں۔ جو چیز کسی مقصد کا ذریعہ ہوتی ہے اس کی قیمت محض مقصد کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے ہے' اگر وہ مقصد اس سے پورا نہ ہو تو وہ بے قیمت ہے۔ کبھی واعظ سے مجلس وعظ اور گریہ و بکا کی فضیلتیں سن سن کر اس کو دھوکا ہوتا ہے' کبھی کبھی اس پر عورتوں کی طرح ایسی رقت طاری ہوتی ہے' اور وہ رونے لگتا ہے' لیکن عزم کا کہیں پتا

خرم مرادؒ کی وصیت

دوسری اور آخری قسط

تسلسل کے لیے پہلی قسط' مارچ ۹۷ کے شمارے میں ملاحظہ فرمایئے۔ (مدیر)

۱۱۔ یاد رکھو کہ ہر نعمت اسی سے ملی ہے۔ حمد اور شکر اسی کے لیے ہے۔ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ اگر تم نے حمد و شکر کے معنی جان لیے' ہر نعمت کو اس کی دین اور عطا جان لیا' اور ہر نعمت پر اس کا شکر ادا کرنا سیکھ گئے' تو سمجھ لو تم نے ایمان کی حقیقت پالی۔ یہ حمد و شکر میزان کو بھر دیں گے۔ دنیا کی ذرہ برابر نعمت ملے' ایک لقمہ یا ایک گھونٹ۔ ذرا سے' ضرر اور نقصان سے بچ جاؤ' ذرہ برابر نیکی کی توفیق ملے' الحمدللہ کہنے ہی کی توفیق ملے ---- تو ان میں سے ہر چیز پر شکر واجب ہے' ہر چیز پر شکر کرو۔ تمھاری صبح حمد کے ترانہ سے شروع ہو' دن بھر یہی نغمہ زندگی کے تاروں سے نکلتا رہے' رات بھی حمد پر ختم ہو۔ تم اندازہ نہیں کرسکتے زندگی کتنے اطمینان و سکون اور کتنی خوشی و مسرت سے بھر جائے گی' اور اللہ کی نظروں میں یہ زندگی کتنی محبوب ٹھہرے گی' اِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ (الزمر ۳۹:۷۔ اگر تم شکر کرو تو اسے وہ تمھارے لیے پسند کرتا ہے)۔ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ (النساء ۴:۱۴۷۔ آخر اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تمھیں خواہ مخواہ سزا دے۔ اگر تم شکر گزار بندے بنے رہو اور ایمان کی روش پر چلو)۔ شکر و حمد کرو یہاں تک کہ اللہ راضی ہو جائے۔ وہ راضی ہو جائے' تو یہ ایسی لازوال نعمت ہے کہ جتنا شکر کرو' کم ہے۔ لَكَ الْحَمْدُ حَتّٰى تَرْضٰى' وَلَكَ الْحَمْدُ اِذَا رَضِيْتَ۔

۱۲۔ اور یاد رکھو کہ اس سے ملاقات ہونی ہے۔ کسی وقت بھی بلاوا آسکتا ہے۔ بس ساری زندگی اسی ملاقات کے لیے تیاری کا نام ہے: وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ۔ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۔ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ' جتنا اس ملاقات کے دن کو یاد رکھو گے' اتنا اس ملاقات کی تیاری کے لیے قوت پیدا ہوگی' جتنا اس کی تیاری کرو گے' اتنی ہمیشہ کی ابدی کامیابی تمھارا مقدر بنے گی۔

۱۳۔ اللہ کو یاد کرنے کے غیر متعین طریقے ان گنت ہیں۔ دل میں اللہ اللہ کرنا' اس کی صفات کا

تصور کرنا' یہ یاد کرنا کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ جس جس طرح اور جتنا ممکن ہو' دھیان اس کی طرف رکھنا' اور اسے دھیان میں رکھنا۔

۱۴۔ اللہ کی یاد کے لیے وہ معین کلمات' اذکار' دعائیں جن کی تعلیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے' جتنا زیادہ یاد کر سکو۔۔۔۔ عربی میں نہ ہو تو اردو کے معانی ہی۔۔۔ اتنا یاد رکھنا اور ان کے پڑھنے کا اہتمام کرنا۔ خاص طور پر دعا مانگنے کا ذوق' شوق اور سلیقہ جتنا سیکھ سکو۔ خصوصاً آخر شب میں۔ جب اور جتنی اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ چند لحات کے لیے بھی ہو' تو اس کے سامنے رونا اور گڑگڑانا' ہاتھ پھیلا دینا' آہ و زاری کرنا۔ ان اذکار کا ایک معین نصاب بھی بنا لینا۔ میرا نصاب تو تمہیں معلوم ہی ہے۔ قرب الہی میں دیا ہوا ہے۔

۱۵۔ قرآن تو ہے ہی ذکر' اور نور' اور رحمت' اور ہدایت' اور شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ۔ جتنا شوق اور شغف قرآن سے پیدا کر سکتے ہو' ضرور کرو۔ جتنا وقت قرآن کی صحبت میں گزار سکو' ضرور گزارنا۔ مصحف نہ کھول سکو' تو اس کا کچھ حصہ دل کے مصحف سے پڑھنے کو معمول بنانا۔ اس میں قرآن بھی ہے' حمد و تسبیح و تکبیر بھی' تہلیل و تفویض بھی' دعا بھی' اسمائے حسنیٰ کا ورد بھی' ملاقات کی یاد بھی' ذکر قلبی و لسانی بھی' ذکر بالجوارح بھی۔

۱۶۔ تمام اذکار کا جامع نصاب نماز ہے۔ نماز سے ہرگز غفلت نہ کرنا۔ اور ہر نماز' اپنی حد تک' خشوع اور ذکر الٰہی سے لبریز ادا کرنے کی کوشش کرنا۔ نماز کا مقصد ہی یہ ہے' اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔ خشوع کی کوشش کرنا کچھ مشکل نہیں۔ کسی چیز پر توجہ رکھو۔ اپنے اوپر کہ مجھے اللہ دیکھ رہا ہے۔ اللہ پر' اس کی صفات پر' خانہ کعبہ پر' زبان سے نکلنے والے الفاظ پر' اس پر کہ یہ میری آخری نماز ہے۔

۱۷۔ جماعت کے التزام کا بھی پورا اہتمام کرنا۔ نماز باجماعت' بغیر جماعت کی نماز سے ۲۷ درجے افضل ہے۔ اور عشا کی نماز جماعت سے پڑھنے والا ایسا ہے جیسے اس نے آدھی رات قیام کیا' اور فجر کی پڑھنے والا ایسا ہے جیسے اس نے آدھی رات قیام کیا۔ بہت سے شارحین کے نزدیک قَلِیْلًا مِّنَ اللَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ کا اطلاق ان لوگوں پر ہوتا ہے جو عشا کی نماز جماعت سے پڑھ کر سوئیں۔ اللہ نے تو ہم جیسے خطاکاروں کے لیے قیام لیل کے ثواب کا راستہ اتنا آسان کر دیا ہے! پھر کتنی بدنصیبی ہو گی اگر تم اس کے

بعد بھی اس ثواب سے محروم رہو۔

۱۸۔ صبر اور صلوٰۃ کے ذریعے اللہ سے مدد مانگتے رہو۔ اس نے چاہا تو ہر کام آسان ہو جائے گا' ہر کام میں کامیاب و بامراد رہو گے۔ صبر کے بارے میں وصیت پہلے کر چکا ہوں۔ اس کے حصول کا نسخہ بھی اللہ کی یاد اور نماز ہے۔ جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے صبر کی تاکید ہے' معاً ہی' ذکر' تسبیح' حمد اور نماز کی تاکید بھی کی ہے۔ ان دونوں کو جمع کر کے رکھو گے' دل' طبیعت' کام' زندگی سب سے جمعیت خاطر نصیب ہو گی۔

۱۹۔ اللہ کی بندگی' اللہ کے بندوں کے ساتھ تعلقات میں' یہ اللہ کو سب سے بڑھ کر محبوب و مطلوب ہے۔ ان تعلقات میں' اپنے اخلاق و معاملات میں اللہ کی مرضی کے مطابق رہنا اور کرنا--- سب سے بڑھ کر اس پر نگاہ رکھنا' اور اس کے حصول کی کوشش ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ جو کچھ اللہ نے دیا ہے' وہ اس کی خاطر' اس کی محبت کی خاطر' اس کے بندوں پر خرچ کرو۔ مال بھی اور وقت بھی' توجہ بھی اور جذبات و احساسات بھی' تنگ دلی بھی اور غصہ بھی' اپنی آن بان کو بھی اور اپنی انا کو بھی' وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔ دیکھو اس کا نماز سے اتنا گہرا تعلق ہے کہ جہاں اس نے اقامت صلوٰۃ کی وصیت کی ہے وہاں انفاق اور ایتائے زکوٰۃ کی بھی کی ہے' جہاں قیام لیل اور آہ سحرگاہی کی تاکید کی ہے وہاں مال و رزق لٹانے کی بھی' جہاں عفو و درگزر کی مدح کی ہے وہاں تنگی و فراخی میں دینے کی بھی۔ ایمان کے ساتھ اعطا اور اطعام مساکین کو جوڑ دیا ہے: فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۔ (اللیل ۹۲:۵-۶۔ تو جس نے (راہ خدا میں) مال دیا اور (خدا کی نافرمانی سے) پرہیز کیا' اور بھلائی کو سچ مانا)۔ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ (آل عمران ۳:۱۷۔ اور فیاض ہیں اور رات کی آخری گھڑیوں میں اللہ سے مغفرت کی دعائیں مانگا کرتے ہیں)۔ يُنْفِقُوْنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۔ (آل عمران ۳:۱۳۴۔ جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ بدحال ہوں یا خوش حال' جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں)۔ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (السجدہ ۳۲:۱۶۔ ان کی پیٹھیں بستروں سے الگ رہتی ہیں' اپنے رب کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے انھیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں)۔

بس ان آیات کو اپنے دل پر نقش کر لینا' نگاہوں کے سامنے رکھنا' اور انھی کے مطابق اپنا عمل' اپنا لین دین' اپنا برتاؤ اور اپنا کردار بنانا۔ یہ تمھارے لیے کفایت کریں گی۔ لیکن اس تعلیم کے بعض اہم مضمرات اپنے سامنے خاص طور پر رکھنا۔

۲۰۔ کسی مخلوق کو' خاص طور پر کسی انسان کو' اس سے زیادہ کسی مسلمان کو' اپنے کسی قول یا عمل سے ایذا نہ پہنچانا۔ جس طرح اللہ کے لیے ہر کام کرنا' سارے دین کا خلاصہ ہے' اسی طرح ایذا نہ پہنچانا' سارے احکام الٰہی کا ماحاصل ہے۔ تم جس حکم شرعی پر غور کرو' اس میں یہ اصول کسی نہ کسی صورت میں پایا جاتا ہے۔ حدود ہوں' نکاح و طلاق کے احکام ہوں' لین دین کے ہوں' معاشرت کے ہوں۔ اتنی چھوٹی چھوٹی چیزوں تک میں یہی ہدایت دی گئی ہے کہ کسی مسلمان کی کوئی چیز مذاق میں بھی نہ چھپاؤ' اس کی طرف کسی ہتھیار سے اشارا بھی نہ کرو' وہ اٹھ کر جائے تو اس کی جگہ نہ بیٹھو' اس کے سر کو پھلانگتے ہوئے آگے نہ جاؤ' گھر میں نہ جھانکو' تجسس نہ کرو' اس کا خط بغیر اجازت نہ پڑھو' نہ شائع کرو۔ رات کو اٹھو تو اس طرح کہ کسی کی نیند میں خلل نہ پڑے--- غرض میں کہاں تک گنواؤں۔ بس اس کو ایک ترازو اور چراغ بنالو کہ کسی کو اپنے کسی قول یا عمل سے ایذا نہیں پہنچانا۔ دوسروں کے ساتھ جو معاملہ پیش آئے' اسی کی روشنی میں اپنا عمل رکھو' اسی کی میزان میں تولو۔ خصوصاً جو بات تم کہتے ہو' جو لفظ تم بولتے ہو' ان میں تو بہت بے احتیاطی ہوتی ہے۔ ایسی ہر بات کہنے سے بھی اجتناب کرو اور ایسے عمل سے بھی--- الا یہ کہ شریعت کے ہی کسی اہم اصول پر عمل کرتے ہوئے کسی کو ایذا پہنچ جائے اور اس سے مفر کی کوئی صورت نہ ہو۔ پھر بھی استغفار ضرور کرنا۔

۲۱۔ اس کا دائرہ مسلمان تک محدود نہیں' مسلمان بھائی کے لیے صرف خصوصی تاکید ہے۔ اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہِ' ساری مخلوق اللہ کا خاندان ہے' اور جو ان کے حق میں جتنا اچھا ہو' اتنا ہی اللہ کو زیادہ محبوب ہے۔ یہاں تک کہ اس مخلوق میں جانور بھی شامل ہیں۔ اونٹ کو بھوکا رکھنا' اس پر برداشت سے زیادہ بوجھ ڈالنا' اس کو آرام نہ دینا' ایک جانور کے سامنے دوسرے جانور کو ذبح کرنا' کند چھری سے کرنا' چڑیا سے اس کے بچے چھین لینا' چیونٹیوں کو آگ میں جلانا--- ان سب چیزوں سے منع کیا گیا ہے۔ جب جانوروں کا یہ معاملہ ہے تو گناہ گار مسلمان ہوں یا غیر مسلم' ان کے کیا حقوق ہیں' تم خود سوچ سکتے ہو۔

۲۲۔ ایذا سے کسی کی جان' مال یا عزت کو نقصان پہنچتا ہو تو پھر یہ بالکل حرام ہے۔ اسی طرح حرام ہے جس طرح سور' شراب یا سود حرام ہے۔ روزہ میں کھانے پینے سے رک جانے کا حکم ہے' تو معاً مال کو باطل طریقے سے کھانا ہر حالت میں حرام کیا گیا ہے۔ کھانے پینے کی چار چیزوں کی حرمت بیان ہوئی ہے تو معاً احکام الٰہی کے کتمان (اور خلاف ورزی' کتمان کی زیادہ بری شکل ہے) کو پیٹ میں آگ بھرنے کے مترادف

قرار دیا گیا ہے۔ حرام اشیاے طعام کے کھانے کے لیے تو اضطرار کی گنجایش ہے' کتمان میں کوئی اضطرار نہیں۔ ناجائز مال کھانے میں' غیبت میں' تہمت میں' سب و شتم میں' اضطرار کے عذر کی کوئی گنجایش نہیں۔ اس کی سزا صرف آگ ہی نہیں' بلکہ اس سے شدید یہ ہے کہ اللہ ان سے نہ بات کرے گا' نہ ان کا تزکیہ کرے گا۔

یہ حقوق کا معاملہ ہے۔ اس سے معافی نہیں' الا یہ کہ جس کی حق تلفی ہوئی' وہی معاف کرے یا اللہ اس سے معافی دلوانے کی سبیل پیدا کرے۔ بس اپنے آپ کو بچاؤ' اپنے آپ کو بچاؤ اور کچھ ہو جائے تو یہیں معاف کرا لو۔ ورنہ قیامت کے دن مفلس اور کنگال رہ جاؤ گے۔

۲۳۔ سب سے بڑھ کر اپنی زبان کی حفاظت کرو۔ بس زبان کے ذریعے سر کے بل جہنم میں گرنے سے بچنے کی تو میں نے ایک ہی راہ پائی ہے۔ وہ یہ کہ دوسروں کے بارے میں اپنی زبان بند رکھو' الا یہ کہ کوئی بھلی بات کہہ رہے ہو۔ ان کی پیٹھ پیچھے برائی نہ کرو' سامنے کوئی الزام نہ رکھو جو ثابت نہ کر سکو' برا بھلا نہ کہو۔ کہیں برائی ہو رہی ہو' اور فوراً اٹھنے یا روکنے پر قادر نہ ہو' تو فوراً استغفار شروع کر دو۔ اپنے جواز کے لیے کوئی تاویل نہ کرو۔ دوسروں میں میاں بیوی بھی شامل ہیں' والدین اور اولاد بھی' ساس سسر اور بہو داماد بھی' بھائی بہن بھی' نوکر ملازم بھی' پڑوسی بھی' گھر کے پڑوسی بھی اور چند لمحات کے لیے صَاحِبِ بِالْجَنْبِ پڑوسی بھی' سفر میں ہمراہ مسافر بھی۔ اس سے رشتہ ہونے کی وجہ سے گناہ کا جواز نہیں پیدا ہوتا' وہ اور سخت ہو جاتا ہے۔ بس ہر انسان کے بارے میں اپنی زبان بند رکھو' الا یہ کہ بھلی بات کہو۔ میری سمجھ میں اس کے علاوہ نجات کی کوئی صورت نہیں۔

۲۴۔ حق تلفی سے آگے بڑھ کر حقوق کی ادایگی کی فکر کرو۔ ایذا سے بچانے سے بڑھ کر' جو حسن سلوک کر سکو' جو خدمت کر سکو' جو حاجت روائی کر سکو' وہ کرو۔ چھوٹی چھوٹی نیکیوں کا جو اجر ہے' تمھیں اس کا اندازہ نہیں۔ کسی کو سواری (کار' بس' ہوائی جہاز) پر سوار ہونے میں مدد دینا' راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹا دینا' کسی کے ڈول میں پانی ڈال دینا' کسی کو استعمال کی چیز عاریتاً دے دینا' کسی کو دیکھ کر مسکرا دینا' اس کو اکرام سے بٹھا دینا' مسلمان کی حاجت روائی کے لیے نکلنا' مسجد نبویؐ میں اعتکاف سے زیادہ افضل ہے۔ جب تک تم اللہ کے کسی بندے کی حاجت روائی یا اس کی مدد کرنے میں لگے رہو گے' اللہ تمھاری حاجت روائی اور امداد میں لگا رہے گا۔ تم دنیا میں کسی کی تکلیف دور کرو گے' اللہ قیامت کے دن تمھاری تکلیف دور کرے گا۔ تم کسی کی ستر پوشی کرو گے' اللہ قیامت کے دن تمھاری ستر پوشی کرے گا۔ بھوکے کو کھانا کھلاؤ

گے' بیمار کی خبر گیری کرو گے' اس کے پاس اللہ کو پاؤ گے۔

۲۵۔ جو برائیاں عام ہیں' ان سے بچنے کی میں تمھیں خاص طور پر تاکید کرتا ہوں۔ کسی کی عیب جوئی نہ کرنا' اپنے عیوب پر نگاہ رکھنا۔ تجسس حرام ہے' اس حرام میں کبھی نہ پڑنا۔ کسی کے عیوب و گناہ علم میں آ جائیں تو ان پر پردہ ڈال دینا۔ پیٹھ پیچھے بیان کرنے کا کیا سوال' سامنے بیان کر کے بھی کسی کو عار نہ دلانا' شرمندہ نہ کرنا۔ تمھیں اس سے کچھ حاصل نہ ہو گا' دوسرے کا دل دکھے گا۔ کسی پر ثبوت کے بغیر کوئی الزام نہ لگانا۔ تہمت اور بہتان بھی حرام ہیں۔ تہمت و بہتان اور غیبت کو ایک ساتھ بھی جمع نہ کرنا۔

۲۶۔ ان احکام کے مطابق کردار بنانے کے لیے تمھیں اپنے دل کو چند برائیوں سے پاک کرنا ہو گا' جو امہات الخبائث ہیں۔ پہلی چیز کبر ہے' اپنے کو "کچھ" سمجھنا ہے' دوسروں کو حقیر سمجھنا ہے۔ تواضع اختیار کرو۔ جب تک قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمھیں بری نہ کر دے' قبول نہ کر لے' اس وقت تک تم اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔ اگر اس نے تمھیں رد کر دیا' تو تم سے زیادہ ذلیل و رسوا کون ہو گا۔ اس لیے آج دنیا کے قید خانے میں خود کو دوسرے مجرموں سے برتر خیال کرنے سے بڑی حماقت کیا ہو سکتی ہے' جب تک مالک یوم الدین کا فیصلہ صادر نہ ہو جائے۔ ہر مسلمان کو' اپنے سے بہتر سمجھو۔ دوسروں کی خوبیوں پر نظر رکھو' عیوب پر نہیں۔ بھلائیوں کا تذکرہ کرو' برائیوں کا نہیں۔ کشف عیوب اور تحقیر نفس اپنی بھی نہ کرو' لیکن اللہ کے سامنے ایک ذلیل و رسوا غلام کی طرح رہو' اٹھو بیٹھو' چلو پھرو اور کلام کرو۔ گدھے کی طرح آواز بلند نہ کرو۔ اکڑفوں نہ دکھاؤ۔ اس جسم پر کیا اکڑفوں جسے پیپ اور کیڑوں کی غذا بن جانا ہے۔

۲۷۔ تنگ دلی' شح نفس سے اپنے دل کو پاک کرو۔ جتنی تواضع اختیار کرو گے' جتنا یہ یقین کرو گے کہ ہر چیز اللہ کی ملک ہے' آج دے دی تو کل اَعْظَمَ اَجْراً کے ساتھ مل جائے گی' آج روک لی تو کل آفت جان بن جائے گی' اتنا ہی دل کو وسیع کرنا آسان ہو گا۔ جتنا دل میں اللہ کی کبریائی سمائے گی' دل فراخ سے فراخ تر ہوتا جائے گا' جتنی اس میں اپنی بڑائی' اپنی حیثیت' اپنی آن' اپنی عزت و ذلت' اپنے حقوق کی عدم ادائیگی کا احساس سمائے گا' اتنا ہی تمھارا دل بھینچتا اور سکڑتا چلا جائے گا۔ آج مال دے دو' معافی دے دو' غصہ روک لو' اپنی آن کی ہٹ قربان کر دو' دنیا کی محبوبیت نکال دو' اللہ تعالیٰ تمھارا دل اتنا وسیع کر دے گا' تمھارا سلوک اتنا نرم اور فراخ کر دے گا' کہ کل تم اس جنت میں داخلے کے مستحق ٹھہرو گے جس کی وسعت میں زمین و آسمان سما جائیں۔

۲۸۔ دل کی نرمی اور گداز' محبت کی گرمی اور سوز' رحمت کی ٹھنڈک اور گیرائی ---- یہ خیر کثیر ہیں۔ دل میں نرمی ہو گی تو گفتگو میں نرمی ہو گی' الفاظ میں نرمی ہو گی' لہجے میں نرمی ہو گی' لین دین میں نرمی ہو گی۔ اِیَّاکُمْ وَالرِّفْقِ - مَنْ یُّحْرِمُ الرِّفْقَ یُحْرِمُ الْخَیْرَ کُلَّہٗ۔

محبت تو فاتح عالم ہے۔ جو چیز نرمی سے حاصل ہو گی وہ سختی سے نہ ہو گی' جو کچھ محبت سے حاصل ہو گا وہ نفرت اور دشمنی سے نہیں۔ اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ میں تکمیل ایمان ہے۔ حضورؐ رحمت اللعالمین تھے اور ہیں' مومنین کے لیے رؤف و رحیم ہیں۔ کرخت آواز میں بات کر کے' لین دین میں سختی کر کے' نتھنے پھلا کے' تمھیں کچھ نصیب نہ ہو گا۔ نرمی اور محبت اور رحمت سے دل کو اطمینان اور شیرینی' دنیا میں بالعموم سہولت اور آسانی' اور آخرت میں اللہ کی جنت یقینی ہے۔

۲۹۔ گناہ گاروں سے نفرت نہ کرنا' گناہوں سے کرنا۔ گناہ گاروں کو ڈانٹ پھٹکار اور لعنت ملامت کر کے ان کے خلاف شیطان کی مدد نہ کرنا' بلکہ ان کے لیے استغفار اور دعائے خیر کر کے شیطان کے خلاف ان کی مدد کرنا۔ اپنے گناہوں پر نگاہ رکھو گے' اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ کا ورد کرتے رہو گے' خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا کو سمجھو گے' یہ جانو گے کہ ہر آدمی کی زندگی نیکی اور گناہ سے بھری ہوئی ہے' اور ہر گروہ میں نیک بھی ہوتے ہیں اور بد بھی' تو تمھیں اپنے اردگرد گناہ گاروں سے اس طرح معاملہ کرنا آسان ہو گا' جس طرح اللہ اور اس کے رسول چاہتے ہیں۔ اپنی غلطیوں اور گناہوں پر جتنا الاؤنس اپنے کو دیتے ہو' اس سے زیادہ الاؤنس دوسروں کو دو۔ اپنے کو جتنا معافی کا مستحق سمجھتے ہو' اس سے زیادہ مستحق دوسروں کو سمجھو۔ جتنی سختی اپنے اوپر کرتے ہو' اس سے کم سختی دوسروں پر کرو۔ جتنے مطالبات اپنے سے کرتے ہو' اس سے کم اور نرم مطالبات دوسروں سے کرو۔ ان شاء اللہ اس روش میں بڑا خیر پاؤ گے۔

۳۰۔ صلہ رحمی' اقربا کے حقوق کی ادائیگی' ان کے ساتھ حسن سلوک' میل جول' ان کو یاد رکھنا اور یاد کر لینا' ان کے لیے اپنے مال میں ایک حصہ رکھنا' یہ بہت بڑی نیکی ہے' اللہ کو بہت محبوب ہے' یہ کرنے والوں سے وہ محبت کرتا ہے۔ آغاز ہی میں' اللہ تعالیٰ نے گم راہ ہو جانے والوں کی نشانی بیان کی ہے: وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ (البقرہ ۲:۲۷- اللہ نے جسے جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے کاٹتے ہیں)۔ اس کے بعد ان کے ساتھ احسان' ان پر خرچ کرنا' پڑوسیوں میں قرابت دار پڑوسیوں (وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی) اور بے سہارا اور یتیموں میں بھی قرابت داروں کا زیادہ مستحق ہونا (یَتِیْمًا ذَا مَقْرَبَۃٍ)۔ جگہ جگہ اس کی تاکید کی

ہے۔ اس حد تک کہ حیرت ہوتی ہے کہ قرآن پڑھنے والا اور قرآن پر عمل کرنے کا آرزومند اس عظیم نیکی سے کیوں کر غافل ہو جاتا ہے۔ وقت میں سے' توجہ میں سے' محبت میں سے' مال میں سے بھی ان کا حصہ نکالو۔ جب اللہ مال دے' اس میں ان کا حصہ نہ بھولو۔ صلہ رحمی کرو گے تو اللہ تمھارے رزق میں اور تمھاری عمر میں برکت اور وسعت دے گا (بخاری و مسلم)۔ قیامت کے روز بھی اللہ کی رحمت کے مستحق ہو گے۔ جب اللہ تخلیق خلق سے فارغ ہو گیا' تو رحم نے ہر قطع رحمی کرنے والے سے پناہ مانگی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرما دیا کہ "جو تجھے جوڑے گا (یعنی قرابت داریوں کو) اس کو میں (اپنی رحمت کے ساتھ) جوڑوں گا' جو تجھے کاٹے گا' اس کو میں اپنی رحمت سے کاٹ دوں گا (بخاری و مسلم)۔

اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ کا اصول ملحوظ رکھنا' لیکن کسی کو بھولنا نہیں۔ والدین' اپنے گھر والے' اپنے بھائی بہن' اپنے چچا ماموں' پھوپھی خالہ' اسی طرح درجہ بدرجہ۔ پھر والدین کے دوست و احباب' ان کے محب و محبوب۔ پھر مہمان اور صاحب بالجنب۔ خاص طور پر حضورؐ کے اس ارشاد کو ملحوظ رکھنا کہ ان ابر البر صلۃ الرجل اھل ود ابیہ۔ سب سے بڑی نیکی اپنے باپ کے دوست اور محبوب و محب کے ساتھ تعلق رکھنا ہے۔

۳۱۔ اختلاف کو برداشت کرنا' اختلاف رائے اور تنقید سے تعلق میں فرق نہ آنے دینا' تنقید کو حلم و تحمل اور فراخ دلی و عالی حوصلگی کے ساتھ سننا' اچھی بات کو قبول کرنا' غلط بات کو نظرانداز کر دینا۔

اپنی غلطی کی ذمہ داری قبول کرنے میں کسی بزدلی کا شکار نہ ہونا' نہ کسی غلطی کے اعتراف میں بخل برتنا' نہ کسی پر تنقید و تعریض کرنے میں فیاض بننا' نہ کسی کی تعریف کرنے میں کنجوسی برتنا۔

کوئی منہ پر برا بھلا کہے تو وہ خود کو ہی برا بھلا کہہ رہا ہے' تم کیوں غصہ کرو۔ کوئی پیٹھ پیچھے برا بھلا کہے تو تمھارا کیا بگڑتا ہے۔ تم جواب نہ دو گے تو فرشتے تمھاری طرف سے جواب دیں گے۔ تم غصہ' انتقام' ذلت و عزت کے چکر میں پھنس جاؤ گے تو اور دس گناہوں میں مبتلا ہو گے۔ خاموش رہو گے' تو فرشتوں کی نصرت کے علاوہ' برا بھلا کہنے والوں کی نیکیاں بھی تمھیں ملیں گی۔ تمھیں تو' امام ابوحنیفہؒ کی طرح' اسے ہدایا بھیجنا چاہییں' کجا کہ تم غصے اور انتقام کی آگ میں خود کو جلانا شروع کر دو۔

معترضین کا جواب دینے کے چکر میں بھی نہ پڑنا' خصوصاً بر سرعام۔ ہر معترض کی بات پر ٹھنڈے دل سے غور کر لینا۔ وہ کوئی صحیح بات کہیں' تو اپنی اصلاح کر لینا۔ اگر غلط لکھا ہے تو درگزر کر دینا۔ درگزر کرنے سے تمھارا کچھ نہیں بگڑے گا' عزت میں کوئی کمی نہ آئے گی' تلخی نہ بڑھے گی' دل جیتنے کی شیرینی حصے میں آ سکتی ہے۔ لوگوں کے ساتھ اعتراض او جواب اعتراض میں الجھنے سے زیادہ فضول اور کوئی کام نہیں۔ یہ نہ کرو گے تو وقت بچے گا۔ وہی وقت خیر اور اجر کے حصول میں لگا دینا۔

خاندان میں' گھر میں' احباب میں' پڑوس میں' کاروبار میں' دینی جماعتی زندگی میں--- ہر جگہ ان اصولوں پر عمل کرو گے تو اطمینان اور سکون کی حلاوت پاؤ گے۔ نہیں کرو گے' تو سوزش و الم میں مبتلا ہو گے۔ مخالفین کی ایذا رسانیوں کو معاف کر دینے سے زیادہ لذیذ کوئی مشغلہ نہیں۔ اور جب ہر کام اللہ کے لیے کرنا شروع کر دو گے' تو تمھیں پتا چلے گا کہ یہ تو بڑا آسان کام ہے۔

۳۲۔ اس دنیاوی زندگی میں ہمیشہ اپنی نظریں اللہ کے دین کی دعوت و اقامت کے نصب العین پر جمائے رکھنا۔ اسی کو آخر دم تک اپنا ہدف و مقصود رکھنا۔ کسی دوسرے مقصد کو اس مقصد پر اور کسی دوسری دلچسپی کو اس دلچسپی پر غالب نہ آنے دینا' خصوصاً دنیا کو۔

ایک آدمی بھی تمھاری وجہ سے ایک نیک کام کرنے لگے' اس سے بڑا صدقہ جاریہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر وہ خود ہی نہ کرے' بلکہ اس کا داعی بھی بن جائے' دوسروں کو بھی اس کام سے لگائے' تو پھر اس ثواب جاریہ میں کئی گنا اضافہ ہو جائے گا۔ یہ نیک کام اگر دعوت کا کام ہو' اقامت دین کی جدوجہد کا کام ہو' اعلائے کلمتہ اللہ کا کام ہو' اجرائے حدود الہی اور احیائے سنن نبویؐ کا کام ہو' تو پھر اَضعَافاً مُّضَاعَفَۃً والا حال ہو گا' اور اس کے علاوہ لدینا مزید کی بشارت بھی پوری ہو گی۔ کسی نیکی کو حقیر نہ جانو' نہ کسی برائی کو کم تر سمجھو۔ اعمال کے مدارج سمجھو' اور ان کے مطابق کام کرو۔ نوافل کی کوئی مقدار بھی ایک فرض کے برابر نہیں ہو سکتی۔ سارے فرائض ادا کرنا ضروری سمجھنا۔ ان میں چوٹی کا فرض جہاد فی سبیل اللہ کا فرض ہے۔ شیطان کے اس فریب میں نہ آنا کہ بڑے بڑے منافع کو چھوڑ کر کم منافع میں مشغول ہو جاؤ۔ اس فریب میں بھی نہ آنا کہ ذرائع میں اس طرح پھنس جاؤ کہ مقصود گم ہو جائیں: یہ اسی لیے کر رہے ہیں کہ اصل مقصد کے لیے بہتر کام کر سکیں' اور اس کا وقت پھر کبھی نہیں آتا۔ اس فریب میں بھی نہ آنا کہ پہلے اپنی اصلاح کر لیں پھر یہ کام کریں گے' پہلے علم حاصل کر لیں' پہلے قول و فعل کی دو رنگی دور کر لیں' پھر کریں گے۔ یاد رکھو ایسا وقت کبھی نہ آئے گا۔ اس فریب میں بھی نہ آنا کہ اچھا' کل سے کریں گے' ذرا اس کام سے فارغ ہو لیں' پھر کریں گے' اس کی نوبت بھی کبھی نہ آئے گی۔

مایوسی کے کینسر سے اپنے آپ کو بچانا۔ آج کل کے حالات میں یہ سب سے عام مرض ہے۔ دنیا میں آگے بڑھنے کے لیے بہترین تدابیر اختیار کرنا' تمھاری عقل پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ پسپائی ہو' ہزیمت ہو' لوگ نہ مانیں' نہ ساتھ دیں' تو اس کے اسباب کا کھوج لگانا اور ان کا علاج کرنا بھی دینی ذمہ داری ہے۔ زیادہ سے زیادہ لوگ آئیں' جلد سے جلد آئیں' جلد سے جلد کامیابی ہو' دین غالب ہو' یہ آرزوئیں عین مطلوب ہیں۔ لیکن بحیثیت ایک فرد کے تو تمھاری آرزو صرف ایک ہونا چاہیے: وہ یہ کہ تم کوشش کا حق ادا کر دو۔

اور جنت کے مستحق ٹھیرو۔ تمھیں اس کے علاوہ اور کچھ مطلوب نہ ہونا چاہیے۔

راہ خدا میں جدوجہد کے ساتھ ساتھ' اپنے دل کو شہادت کی آرزو سے بھی آباد و شاداب رکھنا۔ جب تک اللہ تعالیٰ سرشار کر کے شہادت دینے کی منزل اور توفیق سے سرفراز نہ کرے' اس وقت تک مال سے' عمل سے' دعوت سے' تقریر سے' تحریر سے شہادت میں کوتاہی نہ کرنا' اس شہادت میں اپنا حصہ نہ کھونا۔

۳۳۔ راہ خدا میں جدوجہد کے لیے جماعتی زندگی ناگزیر ہے۔ اپنی اصلاح و تربیت کے لیے بھی' راہ خدا میں اپنی استقامت کے لیے بھی۔ جماعتی زندگی کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ نہ جماعتی زندگی کے اصول و آداب کا' جن سے نہ صرف جماعت مضبوط ہوتی ہے' تم بھی جماعت سے بہت کچھ حاصل کرو گے۔ مقصد سے وابستگی' انسانوں کو جوڑنا' اور ان کی ساتھ جڑے رہنا' سمع و طاعت اور ان کی حدود و آداب' مشورے کے اصول' پابندی وقت' ادائیگی ذمہ داری' نصیحت و خیرخواہی --- یہ تو صرف چند ثمرات ہیں۔

جماعتی زندگی میں ایسے مراحل بھی آتے ہیں کہ مایوسی کی کیفیت ہوتی ہے۔ اگر کبھی ایسا ہو تو جماعت کا دامن نہ چھوڑنا۔ اللہ نے وقت دیا' اور لکھنے کی توفیق ملی' تو میں اپنی کہانی یا اپنی ڈائری لکھ کر جاؤں گا۔ اس سے تمھیں معلوم ہو گا کہ ۱۹۷۰ کے بعد اختلاف' مایوسی اور اس میں روز افزوں اضافہ کے باوجود میں نے کس طرح وفاداری اور استقامت کے ساتھ عہد وفا کو وفا کرنے کے تقاضے نبھائے۔ بعض تو اختلاف اور مایوسی کی پہلی ہی آنچ میں پگھل گئے۔

۳۴۔ اپنی زندگی میں اقامت دین کرتے ہوئے' یا دوسروں کی زندگی اور معاشرے میں یہ فریضہ ادا کرتے ہوئے' حکمت کی دولت سے کبھی لاپروائی نہ برتنا۔ اس ضمن میں حکمت دین کے موضوع پر میں اپنی تقریر اور اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۶ کے "ترجمان القرآن" کے اشارات خاص طور پر پڑھنے کی تاکید کروں گا۔ اس حکمت میں تَیسِیر و تدریج کا اصول' تَعَمُّق و تشدد سے اجتناب' دونوں کی پابندی بہت اہم ہے۔ جزئی و فروعی مسائل میں دار و گیر اور بحث و مباحثہ سے اجتناب کرنا۔ عامتہ الناس سے غیر ضروری کشمکش اور ناراضی ہرگز مول نہ لینا۔ ان کی مختلف آرا یا غلطیوں کی بھی اچھی تاویل کرنا۔ ان کی راہ سے نہ ہٹنا' الا یہ کہ معصیت الٰہی صادر ہو رہی ہو۔ حرام حلال کا لفظ استعمال کرنے میں شدید احتیاط برتنا' بلکہ حتی الوسع اجتناب ہی کرنا کہ سلف کا طریقہ یہی تھا۔

۳۵۔ گھر' اپنا گھر' تمھارے اختیار میں ہے۔ اس گھر میں اللہ کے کلمہ کو غالب رکھنا' اللہ کی حکومت

قائم کرنا' اسے اللہ کی مرضی کے مطابق بنانا اور چلانا تمہارا سب سے بڑا اور اہم کام ہونا چاہیے۔ اپنی ذات کے بعد' تم سے انھی چیزوں کے بارے میں سوال اور مواخذہ ہو گا' جو تمہارے اختیار میں ہیں۔ ان میں سب سے اہم تمہارا گھر ہے۔ گھر کی اصلاح تمہاری ذات کی اصلاح پر منحصر ہے اور تمہاری ذاتی اصلاح گھر کی اصلاح پر۔ گھر اللہ کی مرضی کے مطابق چلے گا' تو تمھیں اطمینان و سکون کی بیش بہا دولت نصیب ہو گی۔ آج کوئی گھر باہر سے آنے والے اثرات سے محفوظ نہیں ہو سکتا۔ پھر بھی تمہاری کوششوں سے بہت کچھ ہو سکتا ہے۔

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم ۶۶:۶) (بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے) گھر کی زندگی کے لیے رہنما اصول ہو۔ گھر چلانے اور گھر میں باہمی تعلقات میں یہی روح جاری و ساری اور کارفرما ہو۔ گھر کا سازوسامان ہو' گھر کا کھانا پینا ہو' بچوں کی تعلیم ہو' ان کی تربیت ہو' ان کے شوق ہوں' ان کا مستقبل ہو' میاں بیوی کا تعلق ہو' بچوں کے ساتھ برتاؤ ہو' ملازموں کے ساتھ سلوک ہو' --- یہی پیش نظر رکھنا کہ کوئی بات ایسی نہ ہو جو اللہ کی آگ کا مستحق بنائے۔ جتنا تم اس پر نظر رکھو گے' اس کا اہتمام رکھو گے' اتنا گھر کی زندگی جنت بنے گی' اور جنت کے حصول کا ذریعہ ثابت ہو گی۔

اس کے یہ معنی نہیں کہ آگ کا سوچتے رہنے سے گھر دنیا کے مزوں اور تفریحوں سے خالی ہو جائے گا۔ نہیں' بلکہ اس کے باوجود دل جوئی اور مودت بھی ہو گی' باہمی پیار بھی ہو گا' عفو و درگزر بھی ہو گا' حلال و طیب سے لذت اندوزی بھی ہو گی' مناسب سامان زینت بھی ہو گا--- اس لیے کہ یہ سب اللہ کی آگ سے بچنے کے لیے ضروری ہے۔

کوئی دو انسان ایک جیسے نہیں ہوتے۔ جب ایک جگہ ہر دم رہنا ہو تو کھٹ پٹ' ناراضی اور اختلاف سے مفر نہیں۔ لیکن شوہر یہ یاد رکھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کیسے شوہر تھے' آپؐ نے اس بارے میں کیا ہدایات دی ہیں۔ عورتوں کی دل جوئی کو ان کا حق قرار دیا ہے۔ سفر میں جاتے تو کسی کو ساتھ لے جاتے۔ روزانہ ان کے ساتھ وقت گزارنے کا اہتمام کرتے۔ ان کے ہنسی مذاق میں شریک ہوتے۔ ان کو تفریح بھی کراتے۔ ان کے ساتھ دوڑ بھی لگائی۔ اور فرمایا: ایمان میں کامل وہ ہیں جو اخلاق کا حسن رکھتے ہیں' اور تم میں سب سے اچھے وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے لیے اچھے ہیں (ترمذی)۔

شوہروں نے عورتوں کی تادیب کی تو حضورؐ کی ازواج کے پاس کثرت سے عورتیں شکایت لے کر پہنچ گئیں۔ آپؐ نے فرمایا: کثرت سے عورتیں اپنے شوہروں کی شکایت کرنے میری بیویوں کے پاس آئی ہیں۔ ایسے لوگ تم میں اچھے لوگ نہیں ہیں۔ فرمایا: عورتوں سے نرمی اور خیر کا برتاؤ کرو۔ فرمایا: کوئی مومن مرد کسی مومن عورت کو ناپسند نہ کرے۔ اگر اس کی کوئی عادت ناگوار ہے' تو کوئی دوسری ایسی بھی ہو گی جو اسے

اچھی لگے (اور یہی معاملہ مردوں کے حوالے سے عورتوں کے لیے بھی ہے)۔

شکستہ توقعات اور کسرِ انکسار پر آمادہ نہ ہونا' یہی تعلقات کی خرابی کی اصل وجوہ ہیں۔

بچوں کی عزت نفس کا خیال رکھنا' لیکن ان کی تربیت میں کوئی کمی نہ کرنا۔ یاد رکھنا کہ بچوں سے بڑھ کر دو رنگی کو پہچاننے والا اور کوئی نہیں ہوتا۔ اس لیے گھر میں تم اور کچھ کرو نہ کرو' قول و فعل کی دو رنگی سے خود کو ضرور بچانا۔

بچوں کو آداب کی تعلیم ضرور دینا۔ سلام و ملاقات کے' بڑوں کی خدمت و احترام کے' گفتگو کے' مہمانوں کی میزبانی کے' کھانے پینے کے' اور ایسے ہی دیگر آداب۔

میری تمنا تھی کہ تمھارے بچے پہلے قرآن ختم کریں۔ قرآن سے محبت اور تعلق ان کے دلوں میں بیٹھ جائے۔ وہ انگریزی اسکولوں میں نہ جائیں۔ اس عمر میں ان کے حافظوں کی لوحوں پر بابا بلیک شیپ کے گانے نہ کندہ ہوں' قرآن کی آیات' حضورؐ کے ارشادات' نعتیں' اقبال و حالی جیسے شاعروں کا کلام' دینی ادب کے شہ پارے نقش ہوں۔ یہ سب تو نہ ہو سکا۔ بس اب کم سے کم قرآن اور دینی ادب کی تعلیم جتنی دے سکو' اور اس طرح دے سکو کہ ان کی اہمیت اور محبت بھی دل میں بیٹھتی جائے تو میری روح کو بہت خوشی ہو گی۔

میں ٹی وی کے حرام ہونے کا فتویٰ نہیں دیتا۔ لیکن خدا کے لیے اپنے گھروں کو اس لعنت اور گندگی سے پاک رکھنا' فحش و عریاں تصاویر اور رسالوں اور کتابوں سے بھی۔ گھر کی فضا کو جتنا پاکیزہ بنا سکو اور رکھ سکو اتنا ضرور بنانا اور رکھنا۔

گھر میں باقاعدہ اجتماع ہو سکے تو اچھا ہے' لیکن روز مرہ کے معمولات میں اللہ کی یاد اور بھلائیوں کی تلقین اور برائیوں سے اجتناب کی نصیحت کو ضرور سمونا۔ جہاد اور شہادت کے قصے بھی سنانا۔

۳۶۔ جن جن باتوں کی میں نے وصیت کی ہے' ان پر عمل کرنے کے لیے تمھیں قوت و استعداد کی ضرورت ہو گی۔ اس قوت کا سرچشمہ یہ یقین' اس بات کا دھڑکا' اور اس وقت کی تیاری ہے کہ --- اللہ کے پاس جانا ہے' اس سے ملاقات کرنا ہے' اصل کامیابی وہیں کی کامیابی ہے' اصل زندگی وہی ہے۔ تم کو ایک دفعہ اس بات کا فیصلہ کرنا ہے' کرنا چاہیے' اور جتنا جلد کر لو اتنا اچھا ہے کہ تمھیں ہر کام اسی لیے کرنا ہے' لمحہ اسی طرح گزارنا ہے' ہر پیسہ اسی لیے خرچ کرنا ہے' ہر تعلق اسی طرح کرنا ہے کہ وہ آخرت میں تمھارے کام آئے۔ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (الحشر ۵۹-۱۸۔ اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل کے لیے کیا سامان کیا ہے) ' اکثر لوگ دو کشتیوں میں سوار ہو کر چلنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں' دونوں ہی میں نقصان اٹھاتے ہیں۔ تم فیصلہ کر لو کہ تمھیں دنیا کی پوری زندگی سے آخرت اور صرف آخرت کمانا ہے۔

دنیا کمانا ہے تو وہ بھی اسی لیے کہ اس سے آخرت کمانا ہے۔

اَلَّذِیۡنَ یَظُنُّوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّهِمۡ وَاَنَّهُمۡ اِلَیۡهِ رٰجِعُوۡنَ (البقرہ ۲:۴۶۔ جو سمجھتے ہیں کہ آخرکار انھیں اپنے رب سے ملنا اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے) ' میں تم شامل ہو جاؤ گے' تمھیں خشوع حاصل ہو گا' (خشوع نہ ہو تو علم کی بڑی سے بڑی مقدار بے کار ہے)' خشوع حاصل ہو گا تو صبر اور صلوٰۃ کی راہ آسان ہو گی' اور یہ دونوں ہی دین اور دنیا کی تمام بھلائیوں کی کنجیاں ہیں۔

تقویٰ جو کامیاب زندگی کا عنوان ہے' اس کا راز بھی اسی فیصلے' اور اس پر استقامت میں پوشیدہ ہے کہ آخرت مطلوب ہے۔ دنیا کی ہر دلچسپی اور ہر شغل سے آخرت ہی کمانا ہے۔ اسی کو ہر وقت نگاہ میں رکھنا۔ پھر تقویٰ حاصل ہو گا' آسمان و زمین سے برکتیں نازل ہوں گی' ہر مخمصے سے نجات کا راستہ ملے گا' رزق اس طرح اور ایسے ذرائع سے ملے گا کہ وہم و گمان میں نہ ہو گا' ہر کام میں آسانی ہو گی' اور تم جنت کے وارث ہو گے۔ اس مقصد کے لیے موت اور منازل آخرت کو کثرت سے یاد کرنا۔

۳۷۔ آخرت کے لیے ارادہ' اس کو ہدف و مقصود بنانا' اور اس کے لیے سعی جیسا کہ اس ارادہ کا حق ہے۔ یہ اسی وقت حاصل ہو گا جب تم ایمان بالغیب کی نعمت حاصل کرو گے۔ اللہ ہو یا آخرت' دونوں ہی غیب میں ہیں۔ وہ حقیقتیں جو حواس کی گرفت سے باہر ہیں' بصارت و بصیرت سے پوشیدہ ہیں' ان پر ایمان و یقین سے ہی تمھارا ارادۂ آخرت اور اس کی کوشش میں استحکام و قوت حاصل ہو گی۔ جنت اور دوزخ تمھارے سامنے نہیں' اس کے بغیر ہی ایک کی طلب و لالچ اور دوسری کی نفرت و خوف تمھیں حاصل ہو۔ رحمٰن کو بھی تم نے دیکھا نہیں لیکن اس پر بھی ایمان رکھو اور اس کی خشیت اپنے دل میں پیدا کرو۔

۳۸۔ ایمان کی حلاوت پانے کے لیے اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کو دل میں بساؤ۔ ان سے محبت ہو گی تو ایمان رگ رگ میں اتر جائے گا' دل کی گہرائیوں میں جگہ بنائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ (البقرہ ۲:۱۶۵۔ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں)۔

اللہ کے رسولؐ نے فرمایا ہے: تم حقیقی معنوں میں پوری طرح مومن نہیں ہو سکتے جب تک میں تمھیں دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔

اس محبت کی معرفت کوئی مشکل کام نہیں۔ تم میں سے ہر ایک محبت کے مزے سے آشنا ہے۔ اس سے قرب کے لیے بے تابی' اس کا نام لینے میں لذت' اس کے ذکر اور بار بار ذکر کی خواہش' اس کی محبت کی جستجو' اس کی ناراضی کا خوف--- بس یہ دیکھتے رہو کہ یہ کتنا حاصل ہے۔ دل میں جھانک کر دیکھو' کہ وہاں

اللہ کا کیا مقام ہے۔ بس وہی مقام تمھارا اللہ کے ہاں ہو گا۔

اس محبت کے حصول کا نسخہ بھی بہت آسان ہے۔ رسول اللہؐ کا اتباع' آپؐ کے نقش قدم پر چلنا' آپؐ کی طرح زندگی بسر کرنا' آپؐ کے رنگ میں رنگنا' انھی مقاصد کا محبوب ہونا جو آپؐ کو محبوب تھے' انھی راہوں پر چلنا جو آپؐ کو محبوب تھیں' قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران ۳:۳۱۔ اے نبیؐ لوگوں سے کہہ دو' اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو' تو میری پیروی اختیار کرو' اللہ تم سے محبت کرے گا)۔

اس کے لیے دعا بھی مانگتے رہو۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُّقَرِّبُنِيْ حُبَّكَ۔ (اے اللہ میں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں اور اس کی محبت مانگتا ہوں جو تجھ سے محبت کرتا ہے اور ہر اس عمل کی محبت مانگتا ہوں جو مجھے تیری محبت سے قریب لے آئے)۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ اُحِبُّكَ بِقَلْبِيْ كُلِّهٖ وَاُرْضِيْكَ بِجَهْدِيْ كُلِّهٖ۔ (اے اللہ' مجھے میرے پورے دل سے اپنے سے محبت کرنے والا بنا دے اور میں اپنی ساری کوشش تجھے راضی کرنے میں لگا دوں)۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّ قَلْبِيْ لَكَ كُلَّهٗ' وَسَعْيِيْ كُلَّهٗ فِيْ مَرْضَاتِكَ۔ (اے اللہ' میرے دل کی ساری محبت اپنے لیے کر دے' اور میری ساری کوششیں تیری رضا کے لیے ہوں)۔

اللہ کی نعمتوں کو کثرت سے یاد کرو' اس کے احسانات کو یاد کرو' ان کا تذکرہ کرو' جتنا کر سکو۔ ہر قسم کی نعمتیں' عام بھی اور خاص بھی' معنوی و روحانی بھی اور مادی بھی' چھوٹی بھی اور بڑی بھی' ان سب کا تذکرہ کرو۔

۳۹۔ کتنی بھی کوشش کرو' یہ یاد رکھنا کہ گناہوں سے بچنا ممکن نہیں۔ كُلُّكُمْ مُذْنِبٌ كُلُّكُمْ خَطَّاؤُنَ (تم سب گناہ گار ہو' تم سب خطاکار ہو)۔ اگر تم گناہ نہ کرتے' اللہ دوسری مخلوق پیدا کرتا' ان کو اختیار کی آزادی دیتا' وہ گناہ کرتے' استغفار کرتے' پھر وہ ان کو معاف کر دیتا۔ اس لیے اپنے گناہوں سے ہمت نہ ہارنا' حوصلہ نہ کھونا' مایوسی کے پھندے میں نہ پھنسنا' استغفار کرنا' اور اپنے رب کی راہ پر چلتے رہنا۔

اس کا دست کرم ہر وقت پھیلا ہوا ہے۔ وہ خود بلاتا ہے کہ آؤ اور گناہ بخشواؤ۔ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ' صبح کو بلاتا ہے کہ رات کے گناہ گار آئیں' شام کو ہاتھ پھیلاتا ہے کہ دن کے گناہ گار آئیں' استغفار کریں تا کہ وہ ان کو بخش دے۔

استغفار میں جلدی کرنا۔ گناہ ہوتے ہی ہاتھ پھیلا دینا' دل پر سے داغ دھل جائے گا اور وہ چمک اٹھے گا۔ اندھیرا چھٹ جائے گا' روشنی ہو جائے گی۔ جو ایمان دل سے نکل گیا ہو گا' وہ واپس آ جائے گا۔ ان

چیزوں میں دیر نہ لگنا چاہیے۔

کثرت سے استغفار کرنا۔ حضورؐ ایک دن میں ۱۰۰ مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتے تھے۔ ایک ہی گناہ بار بار سرزد ہو' بار بار استغفار کرنا۔ گناہ کا بار بار ہونا تمھیں استغفار سے عاجز نہ کرے۔ بار بار گناہ کرنا اور بار بار استغفار کرنا' گناہ پر اصرار کی تعریف میں نہیں آتا۔ گناہ ڈھٹائی سے کرنا' اس کے بعد نادم نہ ہونا' اس کے لیے تاویل کرنا' جواز فراہم کرنا' یہ چیزیں اصرار کی تعریف میں آتی ہیں۔ ان سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

گناہ کے بعد آنسو بہا لینا۔ اس میں کمی نہ کرنا۔ کچھ تلافی اور کفارہ بھی اپنے اوپر عائد کرنا' کچھ صدقہ مال کا' کسی کے لیے عفو و درگزر' کچھ رکعات نماز کی۔

توبہ اور استغفار میں جلدی کرنا چاہیے' اس کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔ لیکن اس کا بہترین وقت فجر سے قبل سحر کا ہے۔ چند لمحات کے لیے ہی توفیق ہو' پیشانی ٹیک کر' آنسو بہا کر استغفار کرنا' ضرور کرنا۔

بندوں کے حقوق کے باب میں گناہ ہو تو ندامت اور استغفار کے ساتھ حقوق کی ادائیگی' نقصان کی تلافی اور معافی بھی ضروری ہے۔

استغفار سے نہ صرف اس مغفرت کا دروازہ کھلے گا جو جنت میں داخلہ کے لیے ضروری ہے۔ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (آل عمران ۳:۱۳۳۔ دوڑ کر چلو اس راہ پر جو تمھارے رب کی بخشش اور اس کی جنت کی طرف جاتی ہے' جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے)' بلکہ دنیاوی خوش حالی' مسائل کا حل اور تنگی میں فراخی نصیب ہو گی۔

۴۰۔ آخری بات یہ کہوں گا کہ جو کچھ اللہ کی رحمت ملے گی' مغفرت ملے گی' نعمت ملے گی' ابدی راحت ملے گی' رب کی خوشنودی ملے گی' وہ تمھاری اپنی کوشش سے ملے گی' اپنی محنت سے ملے گی' کچھ کرنے سے ملے گی۔ جو انعام ہے وہ محنت کا' عمل کا' سعی کا ہے۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (السجدہ ۳۲:۱۷۔ پھر جیسا کچھ آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ان کے اعمال کی جزا میں ان کے لیے چھپا رکھا گیا ہے اس کی کسی متنفس کو خبر نہیں ہے)۔ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (النجم ۵۳:۳۹۔ اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ نہیں ہے' مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہے)' وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۚ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى (النجم ۵۳:۴۱۔ پھر اس کی پوری جزا اسے دی جائے گی۔

زندگی' سب سے قیمتی چیز ہے۔ تم اس کی ذمہ داری سنبھالو' جس طرح دکان دار اپنی دکان کی' تاجر اپنی تجارت کی اور کسان اپنے کھیت کی ذمہ داری سنبھالتا ہے۔ باگ اپنے ہاتھ میں لو' مال فراہم کرو' بیج ڈالو' صبح وقت پر دکان کھولو' شام کو وقت پر بند کرو' روز کا حساب کر لو۔ جب تم خود کو اور اپنی زندگی کو بنا سنوارنے کے لیے آگے بڑھو گے' اس کی دھن تم پر سوار ہو جائے گی' اسی کے لیے کام کرو گے' تو اللہ تعالیٰ خود

تمھارے لیے ترقی کی راہیں کھولتا جائے گا' یہ اس کا وعدہ ہے' وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت ۲۹:۶۹۔ جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انھیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے)۔

اس کو دو ہی چیزیں مطلوب ہیں: ایک' ارادہ' دوسرے' سعی و کوشش۔ دونوں ایمان کے ساتھ۔ پھر اس کی طرف سے قدر دانی اور اکرام میں کمی نہ پاؤ گے' وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا (بنی اسرائیل ۱۷:۱۹۔ اور جو آخرت کا خواہش مند ہو اور اس کے لیے سعی کرے جیسی کہ اس کے لیے سعی کرنی چاہیے' اور ہو وہ مومن' تو ایسے ہر شخص کی سعی مشکور ہو گی)۔

اپنے اعمال سے ڈرتے رہو' اللہ سے خشیت اختیار کرو' جو رحمان و رحیم ہے۔ مگر اس کی رحمت اور وعدوں کی سچائی پر یقین رکھو۔ اس سے امیدیں لگائے رکھو۔ خوف اور لالچ کی ساتھ اسے پکارو۔ اور اس بات کا ورد کرتے رہو: كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا۔

اپنے مستقبل کے بارے میں سوچتا ہوں تو امید و بیم کی کیفیت ہے' خوف غالب ہے۔ اللہ سے کوئی بعید نہیں کہ آخر وقت آنے تک امید غالب ہو جائے۔ اپنی بداعمالیوں پر افسوس اور ندامت ہے' شرمندگی ہے۔ السابقون اور المقربون کا ذکر پڑھتا ہوں تو ایک ہوک سی سینے میں اٹھتی ہے۔ کچھ ایسا مشکل بھی نہ تھا' وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ۔ (ق۵۰:۳۱۔ جنت متقین کے قریب لے آئی جائے گی' کچھ بھی دور نہ ہو گی) لیکن سب مواقع ضائع کر دیے۔ بلاوجہ گناہوں کا بوجھ لادا۔ ایسے گناہ کہ سوائے بربادی کے کچھ نصیب نہ ہو۔ یہ لالچ تو ترک کرنا مشکل ہے کہ وہاں پر مقربین و سابقین کے ساتھ الحاق ہو' لیکن یہ ایک محال خواب و خیال لگتا ہے۔ پھر اصحاب یمین کا سوچتا ہوں' جن کے نیک اعمال زیادہ وزنی ہوں گے' سلامتی ان کا مقدر ہو گی۔ برے اعمال بھی لائیں گے۔ دونوں پلڑوں پر نظر ڈالتا ہوں' تو یہاں بھی امید نہیں بندھتی کہ ان کے زمرے میں شامل ہونے کا مستحق بن سکا ہوں۔ یہ تو بہت ہی آسان تھا۔ پھر اصحاب شمال' اصحاب جہنم کا ذکر پڑھتا ہوں تو بھی یقین نہیں آتا کہ اتنا برا ہوں کہ ان میں شامل ہو جاؤں گا۔ پھر کیا ہو گا؟ کن کے زمرے میں شامل ہوں گا؟ تو اپنا حال ایسا لگتا ہے کہ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ' عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (التوبہ ۹:۱۰۲۔کچھ اور لوگ ہیں جنھوں نے اپنے قصوروں کا اعتراف کر لیا ہے۔ ان کا عمل مخلوط ہے' کچھ نیک ہے اور کچھ بد۔ بعید نہیں کہ اللہ ان پر پھر مہربان ہو جائے کیونکہ وہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے)۔ عمل صالح بھی ہیں' گناہ بھی ہیں' خلط ملط ہیں' کچھ پتا نہیں کہ کس کا پلڑا بھاری ہے' دونوں ہی بہت زیادہ ہیں۔ اپنے گناہوں کا اعتراف بھی ہے۔ ان کا بھی جن کو جانتا ہوں' ان کا بھی جن کو نہیں جانتا۔ جس دن سب دیکھ کر فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ کی کیفیت اس حسرت کے ساتھ آئے گی کہ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ' اس سے پہلے ہی یہیں سب کا اعتراف

ہے' اقرار ہے۔ روز کہنے کی کوشش کرتا ہوں اَلْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِی اِلَیْکَ ۔ لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ کی حسرت کے آنسو بھی آج ہی حاضر ہیں۔ اس لیے امید بندھتی ہے۔

غفور و رحیم نظر کرم فرمائے' توجہ فرمائے' آغوش رحمت کو وا کرے' اعمال نامہ بر سرعام نہ دے' اسے نشر نہ کرے' پردے کا معاملہ پردے ہی میں رہے' لوگوں کے حسن ظن ہی کا خیال رکھ لے کہ اتنے بندوں کا حسن ظن غلط نہ ثابت ہو' اور مغفرت و رحمت سے ڈھانپ لے۔ اس رحمت کے علاوہ تو کسی کا بھی کوئی سہارا نہیں۔ جو مقرب ترین تھے وہ بھی کہہ گئے کہ الا ان یتغمدنی رحمة ۔ اور کوئی آسرا نہیں۔ تین دفعہ پڑھتا ہوں اور کان لگے رہتے ہیں کہ کوئی صدائے دل نواز آئے: اٹھ' تیرے گناہ معاف کر دیے گئے۔

اِنَّ مَغْفِرَتَکَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِیْ وَرَحْمَتَکَ اَرْجٰی عِنْدِیْ مِنْ عَمَلِیْ (بے شک تیری مغفرت میرے گناہوں سے زیادہ وسیع ہے اور مجھے تیری رحمت کا آسرا ہے' نہ کہ اپنے عمل کا)۔

کئی دفعہ مدینہ منورہ میں حاضری کے موقع پر چشم تصور اسی نظارہ کی دید کی آرزو میں بھی ہے' اور درود پڑھتے ہوئے' بہ پائے خواجہ چشماں را بمالیم' سوچتے ہوئے اسی وعدے کی تکمیل کی آرزو سینے میں رہی:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۔ (النساء ۴:۶۴۔ اگر انھوں نے یہ کیا ہوتا کہ جب یہ اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھے تھے تو تمھارے پاس آ جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسولؐ بھی ان کے لیے معافی کی درخواست کرتا تو یقیناً اللہ کو بخشنے والا رحم کرنے والا پاتے)۔

بس حسرت اور آرزو' آرزو اور حسرت---- یہی حاصل زندگی ہے۔

ان مراحل میں تم سب کا عمل' ان خیر کی باتوں پر جو میں نے یہاں جمع کر دی ہیں' یا جو کبھی بیان کی ہیں' لکھی ہیں' میرے لیے سب سے قیمتی ہدیہ ہو گا' میری سب سے بڑی خدمت ہو گی' میرے ساتھ سب سے بڑا تعلق ہو گا' اور اس کے لیے میں تمھارا سب سے بڑھ کر احسان مند ہوں گا۔

اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰهِ کَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَاِیَّاکُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۔ اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۔ اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِیْنَکُمْ وَخَوَاتِیْمَ اَعْمَالِکُمْ ۔

(میں تمھیں اللہ سے تقویٰ کی نصیحت کرتا ہوں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم سے پہلے جن کو کتاب دی تھی انھیں بھی یہی ہدایت کی تھی اور اب تم کو بھی یہی ہدایت کرتے ہیں کہ اللہ سے تقویٰ اختیار کرو (النساء ۴:۱۳۱۔ اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو (آل عمران ۳:۱۰۲۔ میں تمھارا دین اور تمھارے اعمال کے انجام' اللہ کے سپرد کرتا ہوں)

خرم ۔ ۶ فروری ۹۶

لوحِ ایام

انقلاب ایران کا پس منظر و پیش منظر

رفیع الدین ہاشمی

اردو میں انقلاب ایران (۱۹۷۹) کے بارے میں ذاتی مشاہدات اور تاریخی و سیاسی تجزیوں پر مشتمل بہت سی تحریریں سامنے آئی ہیں۔ ان میں سے بعض تو ایران سے باہر بیٹھ کر محض کتابوں اور ذرائع ابلاغ کی مدد سے مرتب کی گئی ہیں اور بعض چند دنوں' ہفتوں یا زیادہ سے زیادہ دو چار مہینوں کے سفر و مشاہدے کو بنیاد بنا کر لکھی گئی ہیں۔ زیر نظر کتاب جناب مختار مسعود کے چار سالہ قیام ایران کے چشم دید واقعات اور عمیق مشاہدے اور تجزیاتی مطالعے کا ماحصل ہے۔ وہ آر سی ڈی کے سیکرٹری کے طور پر ۱۹۷۸ میں ایران گئے اور پورے چار سال وہاں مقیم رہے۔ اسی دوران انقلاب برپا ہوا۔ یہ مصنف کی زندگی کا ایک نیا اور انوکھا تجربہ تھا۔

مصنف ہماری سول سروس کے ان گنے چنے افراد میں سے ہیں جن کا قلم و قرطاس سے گہرا تعلق ہے۔ بیورو کریسی کے خلاف پائی جانے والی ایک عمومی فضا میں اس حلقے کے کم لوگوں کے بارے میں اچھی رائے پائی جاتی ہے' مختار مسعود کا شمار انھی کم لوگوں میں ہے (زبان خلق کو---) ایک ادیب کے طور پر "آواز دوست" اور "سفر نصیب" نے بھی انھیں ناموری عطا کی ہے اور بجا طور پر۔ لیکن ان کی زیر نظر کتاب پہلی متذکرہ بالا دونوں کتابوں سے خاصی مختلف ہے۔ تقریباً پانچ سو صفحات اور سترہ ابواب پر مشتمل' چار سال کی طویل مدت پر پھیلی ہوئی اس داستان کو جو غم جاناں اور غم دوراں دونوں کا مرقع ہے' حکایت جہاں بھی ہے اور حدیث دل بھی' احاطہ تحریر میں لانا آسان نہ تھا مگر مصنف نے اس حکایت لذیذ کو اس فنکاری اور ہنرمندی سے سمیٹا ہے کہ اگر دراز تر بھی ہوتی تو بار خاطر نہ ہوتی۔ بلکہ جی چاہتا ہے کاش کچھ اور طویل ہوتی۔

سفر ایران کا پروگرام بنا تو مصنف نے باقاعدہ اس کے لیے ہوم ورک شروع کر دیا۔ میز پر کتابوں کا ڈھیر' ہیروڈوٹس' طبری' ول ڈیورنٹ' آربری' براؤن۔ ایک دوست نے یہ ڈھیر دیکھا اور طنزاً کہا: آپ تہران جانے

کے لیے تیاری کر رہے ہیں یا کسی امتحان میں بیٹھنے کے لیے؟ (ص ۲۰)۔ بہرحال سفریا امتحان کی تیاری جاری رہی۔ اس سلسلے میں مصنف نے بہت سے ایران پلٹ لوگوں سے بھی ملاقاتیں کیں۔ ملاقات و مشاورت کا سلسلہ ایران پہنچ کر بھی جاری رہا اور مطالعے کا ذوق وہاں پہنچ کر سوا ہو گیا۔ کتابوں کی دکانوں کے پھیرے کتابوں کا انتخاب، پھر لغت کی مدد سے ان کا مطالعہ۔ پندرھواں اور سولھواں باب "افکار" اور "اشعار" اسی مطالعے کا نچوڑ ہیں۔ وہ ہمیں شریعتی، مطہری، صادق، ہدایت اور جلال آل احمد سے متعارف کراتے ہیں۔ اس حصے میں بہت دلچسپ باتیں ہیں، مثلاً:

استاد مطہری نے ملا نصرالدین کا ذکر مغربی جمہوریت کے سلسلے میں کیا ہے۔ ملا خچر پر بیٹھے کہیں جا رہے تھے۔ پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ کہنے لگے: "جہاں یہ خچر لے جائے"۔ مغربی جمہوریت ملا نصرالدین کا خچر ہے۔ اکثریت معاشرہ کو جہاں چاہے لے جائے، کوئی اسے روکنے یا ٹوکنے والا نہیں ہوتا۔ اکثریت چاہے تو جائز کو ناجائز قرار دے دے اور معقول کو نامعقول۔ حرام کو حلال کا مرتبہ بخش دے۔ گناہ کو ثواب کا درجہ عطا کر دے جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔ جس جمہوری نظام میں اکثریت کو حسن قرار دیا جائے اور قانون سازی اور کرشمہ سازی میں فرق جاتا رہے، اس میں حیوانیت آزاد اور انسانیت اسیر ہوتی ہے۔ جو لوگ اللہ کو فراموش کر دیتے ہیں، اللہ ان کو فراموش کر دیتا ہے اور اکثریت کے گمان فاسق پر چلنے دیتا ہے تاکہ وہ اپنے انجام کو پہنچیں۔

"مغربی دماکراسی (Democracy) کے بارے میں مطہری اور اقبال کے خیالات ملتے جلتے ہیں۔ اتنا ہے کہ ایک نے گدھے کی مثال دی ہے اور دوسرے نے خچر کی کہ از مغز دو صد خر فکر انسانی نمی آید۔ گدھے خواہ دو سو ہی کیوں نہ ہوں وہ انسان کی طرح سوچنے سے معذور ہیں۔ اس واضح فرق کے باوجود پاکستان نے مغربی دماکراسی کے خچر پر سواری کی ہے اور بنیادی جمہوریت کے گدھے پر بھی۔ تین چار بار اس بے بس سوار کو رسالے کا تیز گام گھوڑا لے کر بھاگ گیا۔ منزل ہر بار کھوٹی ہوئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اب لوگ گھوڑے، گدھے اور خچر کسی پر بھی اعتبار نہیں کرتے۔ سارا الزام سواری کے جانور پر رکھتے ہیں۔ اپنا قصور کسی کو نظر نہیں آتا" (ص ۴۳۶)۔

ایرانی انقلاب کے پس منظر کی تلاش میں مصنف تقریباً نصف صدی پیچھے جاتے ہیں جب ۱۹۵۰ میں شہنشاہ ایران پہلی مرتبہ پاکستان آئے تھے اور یہاں ان کا بڑا پرجوش استقبال ہوا تھا۔ صرف لاہور میں انھیں کم از کم ۱۰ لاکھ افراد نے دیکھا۔ ایران کے لیے خیرسگالی کے برادرانہ جذبات عروج پر تھے۔ شہنشاہ نے چند سال بعد دوبارہ پاکستان کا دورہ کیا اور ان کے خاندان کے افراد بھی باری باری پاکستان کے دورے پر آنے لگے۔ کبھی سیر و تفریح اور شکار کے لیے اور کبھی ثقافتی دوروں پر۔ ۱۹۶۵ کی جنگ میں ایران نے پاکستان کی بھرپور مدد کی اور شہنشاہ نے پندرہ سولہ سالہ مہمانی کا حق ادا کر دیا مگر اس کے بعد دونوں ملکوں کے درمیان خیر

سنگلی کی فضا میں کمی ہوتی گئی۔ اور اس کا سبب یہ تھا کہ شاہ ایران رفتہ رفتہ تیل کی دنیا کا بادشاہ بن گیا۔ "اس شخص کے تکبر کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ اس نے قرآن مجید کا ایک خوبصورت نسخہ طبع کرایا ہے مگر اپنے پیش لفظ اور دستخط کے ساتھ" (ص ۹۱)۔ محمد رضا شاہ نے خود کو اردشیر سے بڑا اور سائرس کے برابر سمجھنا شروع کر دیا تھا۔

مختار مسعود بتاتے ہیں کہ ایک دوست نے وزیر خارجہ سے ملاقات کا حال سنایا۔ یزدی کا کہنا تھا کہ شاہ کے دور کے جس معاملے کی چھان بین کرتے ہیں' اس کا ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے اور وہ یہ کہ ایران میں امریکہ کی عملداری مکمل اور ہمہ گیر تھی۔ امریکہ اپنے قبضہ و اختیار کا استعمال کرنے میں بڑا بے لحاظ' بے باک اور نامعقول تھا۔ مثال کے طور پر ایران نے امریکہ کی وزارت دفاع کے نام ایک بلین ڈالر کا چالو کھاتہ کھولا ہوا تھا۔ یہ سرمایہ گرداں تھا' جس قدر خرچ ہوتا' اس قدر رقم اس حساب میں ایران سے منتقل ہو جاتی تاکہ پیشگی کی سطح برقرار رہے۔ اس کھاتے پر امریکہ کا مکمل کنٹرول تھا۔ جو دفاعی سامان' وہ چاہتے' بھیج دیتے۔ مال کی قیمت' جو وہ چاہتے لگا لیتے۔ علی الحساب مزید رقوم مانگتے۔ حساب کبھی مانگا گیا' نہ کبھی دیا گیا۔ ایران میں کسی سرکاری ادارے کو یہ معلوم نہیں کہ اس مد میں اب تک کل خرچ کتنا ہوا ہے اور کن چیزوں پر ہوا ہے۔

مصنف نے شاہ کی غلط کاریوں کی طویل فہرست کا بھی کچھ ذکر کیا ہے۔ ساواک' بیسویں صدی کی تاریخ ایران کا خون آلود باب ہے۔ ۲۰ سال تک اس نام کی دہشت ایران پر مسلط رہی اور انقلاب کے بعد اسی قدر شدید نفرت۔ ساواک کے کوئی پونے دو لاکھ مخبر تھے۔ ایک بس اسٹینڈ پر لوگ کھڑے تھے۔ گرمی بہت تھی۔ بس کے انتظار میں قطار باندھ کر کھڑے ہونے والے پانچ سات افراد نے آپس میں گفتگو شروع کر دی۔ ایک نے صرف اتنا کہا کہ آج کل بڑا حبس ہے۔ قطار سے ایک ساواکی ایجنٹ نکلا اور اس نے یہ جملہ کہنے والے کو گرفتار کر لیا۔ کہیں سے فوراً ایک موٹر آ گئی قیدی کو اس میں ڈالا اور یہ جا' وہ جا۔ "جرم" یہ تھا کہ اس شخص نے جان کر ذو معنی جملہ کہا تھا۔ باب نمبر ۱۲ کا آخری جزو ساواک کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ ایرانی انقلاب کے پس منظر کے تذکرے میں مصنف کو قدم قدم پر وطن عزیز کا خیال دامن گیر رہتا ہے۔ چنانچہ یہ باب اس طرح ختم ہوتا ہے:

"آج تک پاکستان میں قوم اور ملک کے کسی مجرم کے خلاف کارروائی نہیں کی گئی۔ وڈیرے ہی کیا کم تھے کہ لٹیرے بھی ان کے ساتھ اقتدار میں شامل ہو گئے ہیں۔ سمت بدلتی جا رہی ہے۔ جدھر منہ ہونا چاہیے ادھر پشت ہے۔ مسائل بڑھتے جا رہے ہیں جنھیں حل کیا جانا چاہیے انھیں ہوا دی جا رہی ہے۔ آگ لگی ہوئی ہے۔ بجھاتا کوئی نہیں۔ تاریخ سے جو عہد' برعظیم کے مسلمانوں نے کیا تھا' اسے حکومتیں توڑ رہی ہیں۔ نئی نسلیں اس عہد سے ناآشنا اور بے تعلق ہیں۔ محبتیں عنقا ہو گئی ہیں۔ حرام عام ہو گیا ہے۔ مسجد کی عمارت میں شگاف پڑ گیا ہے۔ زندگی کا بوجھ اٹھائے نہیں اٹھتا۔ گدھ منڈیروں پر آن کر بیٹھ گئے ہیں۔ اے

پاکستانیو! تمھاری غیرت' جرات اور دور اندیشی کو کیا ہو گیا ہے؟ فرشتوں کا انتظار کر رہے ہو؟ جب تک تم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہو' وہ نہیں آئیں گے۔ اٹھو! قربانی دو! وہ شہیدوں کے لہو کی خوشبو سونگھ کر آجائیں گے۔ یاد رہے کہ وہ خود نہیں آتے' انھیں کوئی بھیجا کرتا ہے' تم اس کی اطاعت کرو' وہ تمھارا حامی و ناصر ہو گا۔ پہلے بھی ایسا ہوتا آیا ہے اب بھی ایسا ہو سکتا ہے۔ کم ہمتی کیسی؟ ناامیدی کس لیے؟ امید مرد مومن ہے خدا کے راز دانوں میں" (ص ۳۸۷)۔

"لوح ایام" کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ مصنف ایرانی انقلاب کی داستان لکھتے لکھتے بار بار فلیش بیک کر کے وطن عزیز' اور ابنائے امت کا ذکر چھیڑ دیتے ہیں۔ بسااوقات شخصی حوالے سے یادوں کے سیلاب میں بہہ جاتے ہیں۔ علی گڑھ' لاہور' سول سروس کا تربیتی عرصہ' ایام ملازمت کے تجربات اور مشاہدات' جن میں پاکستانی حکمرانوں کا تذکرہ بھی ہے اور بیورو کریسی سے وابستہ اپنے ہم پیشہ دوستوں کا ذکر بھی۔ خود نوشت کے یہ ٹکڑے بھی ایرانی انقلاب کی کہانی سے کم دلچسپ نہیں۔ "علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سکول کی چوتھی جماعت پاس کر کے پانچویں میں پہنچے تو اختیاری مضامین کے بارے میں پہلی بار طلبہ سے رائے لی گئی۔ "کلاس ماسٹر نے مضمون کے لیے باری باری ہماری رائے معلوم کی۔ جب فارسی کی باری آئی تو میں نے بڑے کیف و سرور سے اپنا ہاتھ اٹھا دیا"۔ آگے چل کر خصوصاً ایران کے زمانہ قیام میں یہ فارسی بہت کام آئی مگر اس کے ساتھ ساتھ ایک حسرت بھی باقی رہ گئی۔ مختار مسعود کہتے ہیں: "عربی کی باری آئی اور میرے دل میں کسک اٹھی کہ میں ہاتھ اٹھانے والوں میں شامل نہیں ہوں۔ ماسٹر جواد کہتے ہیں کہ "ایک شخص بنگالی زبان محض اس لیے سیکھ رہا ہے کہ وہ ٹیگور کو پڑھ سکے۔ ادھر مسلمانوں کی اولاد کلام اللہ کی وارث ہونے کے باوجود عربی زبان سیکھنے سے جی چراتی ہے"--- یہ جملہ مصنف کے کانوں میں گونجتا رہتا ہے اور ایک کسک زندگی بھر ساتھ رہتی ہے۔

ایک بلند پایہ ادیب کی تحریر میں بہت سی دوسری خوبیوں کے ساتھ بالعموم بار بار ایک دردمندی و دل سوزی کا احساس ابھرتا ہے۔ دوران ملازمت' فائلوں کی چھانٹی کرتے ہوئے مختار مسعود کو قائداعظم کے باورچی کا قصہ معلوم ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ جب میں نے باورچی والی فائل پڑھی تو اپنی محرومی کا احساس بہت بڑھ گیا۔ کاش کچھ پہلے اس دنیا میں آجاتے اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے کہ عظیم اور بااصول انسان کیسا ہوتا ہے۔ ہم نے جو زمانہ دیکھا ہے اور دیکھ رہے ہیں اس میں اتنے دیانت دار سربراہ حکومت اور ریاست کا تصور بالکل افسانوی لگتا ہے۔

قائداعظم کھانا بہت کم کھاتے تھے۔ دبلے پتلے بوڑھے اور بیمار تھے۔ مرض الموت میں جسمانی کمزوری بہت بڑھ گئی۔ زیارت میں قیام کے دنوں میں ڈاکٹر الٰہی بخش نے تشویش ظاہر کی کہ کم خوراکی کی وجہ سے ان کی حالت زیادہ تیزی سے خراب ہو رہی ہے۔ ان کی رائے تھی کہ لاہور میں جو باورچی کپور تھلہ برادرز کے

نام سے مشہور ہیں انھیں زیارت بھیجا جائے کیونکہ ان کے ہاتھ کا بنا ہوا کھانا قائداعظم کو مرغوب ہے۔ کپور تھلہ کے باورچی بھائیوں کی تلاش ہوئی۔ وہ لاہور چھوڑ کر لائل پور چلے گئے تھے۔ لائل پور سے زیارت پہنچے۔ کھانا پکایا۔ اس روز قائداعظم نے چند لقمے شوق سے کھائے۔ کھانے کے بعد اپنے پرائیویٹ سیکرٹری فرخ امین کو بلایا۔ کھانے میں فرق کی وجہ دریافت کی۔ وجہ بتائی گئی۔ وہ ناخوش ہوئے۔ چیک بک منگائی۔ باورچیوں کے آنے جانے کے خرچ کا حساب کیا۔ اس رقم کا چیک کاٹا۔ رقم سرکاری خزانہ میں جمع کرائی۔ باورچی رخصت کیے اور کہا: یہ حکومت یا ریاست کا کام نہیں کہ وہ گورنر جنرل کو اس کی پسند کا کھانا (سرکاری خرچ پر) فراہم کرے۔

"کہاں قائداعظم' سچے' کھرے' بااصول اور امانت دار۔ کہاں جھوٹے' منافق' بے اصول اور خائن حکمرانوں کی کھیپ کی کھیپ۔ کہاں وہ باورچیوں کا سفر خرچ حکومت کو واپس کرنے والا مخلص' کہاں یہ کھاؤ اڑاؤ اشخاص۔ یہ مسرف اور متلف حکومتیں۔ یہ فضول خرچیاں' یہ ضیافتیں' یہ خیانتیں' یہ حرام کاریاں۔ جیسے ملک کی دولت کو کھانا اور ویران کرنا حکمرانوں کے سرکاری فرائض میں شامل ہو اور اس کا مینڈیٹ انھیں اس جعلی دماکراسی سے ملا ہو جو مارشل لا کے درمیانی وقفوں میں عوام پر مسلط ہو جاتی ہے۔ یہ حکمران کیا کچھ نہیں کھا گئے۔ پلاٹ اور پرمٹ' ادارے اور بنک' انصاف اور اصول' دماکراسی اور مساوات' عہد اور نظریہ' روایات اور ماضی۔ اس رفتار سے یہ حکمران مملکت خداداد کو اور یہ حکومتیں ہمارے مستقبل کو کھا جائیں گی۔ نعوذ باللہ" (ص ۳۷۹)۔

مصنف نے ایران جانے سے پہلے (جیسا اوپر ذکر ہوا) سفر کی بہ خوبی تیاری کی تھی' ایران پہنچے تو انقلاب ان کے سامنے برپا ہوا۔ انھوں نے آنکھیں کھلی رکھیں۔ محض بالکنی میں کھڑے ہو کر انقلاب کا نظارہ نہیں کیا اور صرف مشاہدے ہی کو کافی نہیں سمجھا بلکہ متلاشیان انقلاب کے ہجوم میں بذات خود جا شامل ہوئے۔ ان کے دلوں کی دھڑکنوں اور ان کے جذبات سے ہم آہنگ ہوئے اور اظہار جذبات کے طور طریقوں سے واقف۔ انھوں نے ایرانی معاشرے کے اکابر و اصاغر سے رابطہ کیا' انقلاب کے علمبرداروں' پاسداروں' عالموں' خطیبوں' مفکروں' مصنفوں اور دانش وروں سے ملاقاتیں کیں۔ براہ راست مطالعہ بھی کیا--- اس لیے ان کا مطالعہ و تجزیہ حقیقت پسندانہ ہے' اس میں نہ تو رومانویت ہے اور نہ جذباتی خوش فہمیاں' شہنشاہیت کے جبر و مظالم کا طویل سلسلہ اور ردعمل میں احتجاج' ہڑتال' مظاہرے' جلوس' نعرے: مرگ بر شاہ' درود بر خمینی' مرگ بر امریکہ--- ہنگامے' گولی' آتش زنی' دھماکے' کرفیو' خانہ جنگی' بغاوت' ہلاکتیں اور شہادتیں--- سڑک' ریل' بس' ہوائی جہاز بند--- بنک' یونی ورسٹی بند' منصوبے ملتوی۔ افراتفری' لاقانونیت' نراجیت۔ شاہ کی رخصتی اور خمینی کی آمد--- انھوں نے ایرانی انقلاب کے علمبرداروں کو ان کی جرات' خود اعتمادی' خودداری اور غیرت مندی پر بجا طور پر خراج تحسین پیش کیا ہے۔ مگر مسلم ہے کہ

انقلاب میں ہمیشہ سے کچھ عبرت کے پہلو ہوتے ہیں اور کچھ سبق آموزی کے بھی۔ "لوح ایام" کے مصنف نے ایرانی انقلاب کی خود سری کے بہت سے واقعات بیان کیے ہیں۔ انقلاب میں بسا اوقات دوست اور دشمن میں تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ شریعتی انقلاب کے معماروں میں سے تھے لیکن یہ کیسا عبرت ناک پہلو ہے (مختار مسعود بتاتے ہیں) کہ انقلاب کے بعد ان کے بارے میں گرم جوشی کم ہوتی گئی۔ پہلے یوم وفات پر تو ایک آدھ بیان آیا' دو چار مضامین نکلے' اور تین چار بار ٹیلی ویژن پر ذکر ہوا' لیکن اس سے اگلے سال' جب شریعتی کے والد کے فلیٹ کے باہر لوگ سڑک پر جمع ہو گئے اور جلسے کی صورت بن گئی اور پچھلے سال بھی ایسا ہی جلسہ ہوا تھا تو چند ایمبولینس گاڑیاں آئیں اور سڑک کا اگلا اور پچھلا حصہ بند کر دیا۔ ایمبولینسوں کے عقبی دروازے کھلے۔ ان میں سے مسلح افراد نکل آئے اور ہجوم پر پل پڑے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہجوم منتشر ہو گیا۔ سنا ہے زخمی ہونے والوں میں شریعتی کے بوڑھے والد بھی شامل تھے (ص ۴۴۳)۔ شاید اسی لیے ایک الوداعی تقریب میں جناب مختار مسعود نے' ایک ایرانی نوجوان کو تنبیہ و تلقین کرتے ہوئے کہا کہ بڑے بڑے انقلاب ایک درجہ کامیاب ہونے کے بعد غلط رخ پر نکل جاتے ہیں اور ساری محنت اکارت جاتی ہے۔ آپ اس بات کا خاص طور پر خیال رکھیں (ص ۴۸۶)۔

"لوح ایام" کے مطالعے سے انقلاب کے بارے میں کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ بعض اوقات مصنف کچھ سوالات اٹھاتے ہیں تو وہ بہت سے ذہنوں کی ترجمانی کر رہے ہوتے ہیں۔ بتاتے ہیں کہ ایک پاکستانی صحافی نے ایران کے دانش ور عالم ڈاکٹر بہشتی سے انٹرویو لینے کے بعد' بڑے تردد اور تامل کے ساتھ آخری سوال یہ کیا کہ "انقلاب ایران کے بارے میں یہ تاثر کہاں تک درست ہے کہ یہ شیعی اسلامی انقلاب ہے؟ ڈاکٹر بہشتی نے لحہ بھر دیر نہ لگائی۔ سوال پوچھنے والے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور کہنے لگے۔ اس سوال کے جواب میں کوئی اشکال ہے نہ دشواری۔ ایران کے اسلامی انقلاب کو ایرانی علما کی قیادت اور رہبری میسر آئی ہے۔ چونکہ یہ علما شیعہ ہیں اس لیے وہ اپنے افکار اور عقیدے کے سوا اور کون سا انقلاب برپا کر سکتے ہیں" (ص ۴۴۵)۔

"لوح ایام" مصنف کے تجربات و مشاہدات اور مطالعہ و تاثرات کا حاصل ہے۔ یہ فیصلہ کرنا ذرا مشکل ہے کہ انھوں نے تاریخ نویسی کی یا وقائع نگاری' سفرنامہ لکھا ہے یا رپورتاژ' یہ ان کی خود نوشت کی ایک جھلک ہے یا یاد نگاری کا نمونہ--- مگر بہ آسانی اور بلا تامل کہا جا سکتا ہے کہ جو کچھ انھوں نے لکھا ہے' وہ پڑھنے کے لائق ہے' اور ان کا قاری مایوس نہیں ہوتا۔ غالباً اسی لیے یہ' ایک ہی برس کے اندر پانچویں بار چھپی ہے (فیروز سنز' لاہور)' اور یہ مقام کسی اردو کتاب کو کم ہی نصیب ہوتا ہے۔

ترکی: سیکولرازم کے بچاؤ کے لیے آخری وار کی تیاری

مسلم سجاد

ترکی میں نجم الدین اربکان اور تانسو چلر کی مخلوط حکومت کو ابھی آٹھ ماہ بھی پورے نہیں ہوئے ہیں کہ سیکولرازم کے محافظ فوجی جنرلوں کا پیمانہ صبرلبریز ہو رہا ہے۔ حکومت اس لیے قائم کرنے دی گئی تھی کہ زیادہ عرصے نہ چلے گی لیکن اب مستحکم ہوتی نظر آ رہی ہے تو خطرے کی گھنٹیاں سب طرف بج رہی ہیں۔ جنرلوں کا خیال تھا کہ اربکان انقلابی راستے پر چلیں گے اور جلد ہی وہ حکومت کو برطرف کرنے اور رفاہ پارٹی پر پابندی لگانے کی پوزیشن میں ہوں گے۔ لیکن اربکان ان کی توقعات پر پورے نہیں اترے۔ ان کی توجہ معیشت کی اصلاح' عوام کے مسائل کے حل اور ترکی کو دنیا میں اس کا جائز مقام دلانے پر رہی اور یہ سب کچھ وہ دستور کی حدود کے اندر رہ کر کرتے رہے۔ ان کی اعتدال پسندی ہی ان کے لیے خطرہ بن گئی ہے۔ جنرلوں کو امید تھی کہ چلر کی ٹرو پاتھ پارٹی اور رفاہ کا ساتھ عارضی ثابت ہو گا۔ میڈیا کے سیکولر عناصر ایک طرف یہ مہم چلا رہے ہیں کہ اربکان اپنے انقلابی اسلامی ایجنڈے پر عمل نہیں کر رہے ہیں تاکہ اربکان کے حامی ان سے برگشتہ ہوں' اور دوسری طرف تانسو چلر کو غیرت دلا رہے ہیں کہ تم نے سیکولر نظریات کو فروخت کر دیا ہے اور اربکان کی غلام بن گئی ہو! لیکن مخلوط حکومت نہ صرف ابھی تک قائم ہے بلکہ چلر نے یہ اعلان کر کے ان سب کو حیرت اور صدمے سے دوچار کر دیا ہے کہ "یہ حکومت ۲۰۰۰ تک برسراقتدار رہے گی" اور "ہم رفاہ سے انتخابی اتحاد بھی کر سکتے ہیں"۔

۲۸ جون ۱۹۹۶ کو اقتدار سنبھالنے کے بعد سے' اربکان نہایت دانش مندی اور فراست سے اپنے لیے راستہ بنا رہے ہیں۔ امریکہ یا یورپی یونین سے سیاسی یا تجارتی تعلقات توڑنے کے بجائے' وہ ترکی سے دوستی کی دعوے دار مغربی حکومتوں سے برابری کی سطح پر بات کر رہے ہیں اور ان کے وعدے یاد دلا رہے ہیں۔ ترکی نے اپریل ۸۷ میں یورپی یونین کی مکمل رکنیت کی درخواست دی تھی لیکن اس کا نام ابھی تک اس فہرست میں نہیں آیا ہے جن کو رکنیت دینا متوقع ہے۔ ترکی ناٹو کا ممبر ہے لیکن یورپی ممالک اسے اپنی برادری میں شامل کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ ہالینڈ کے وزیر خارجہ ہانس وانس مرلو (Hans Vans Mierlo) نے یورپی پارلیمنٹ میں تقریر کرتے

ہوئے گذشتہ ماہ بات بالکل صاف کر دی کہ "اب وقت آگیا ہے کہ ہم دیانت دار بنیں' اور اپنے پڑوسی اور ناٹو کے حلیف ترکی کو بتادیں کہ اسے یورپی یونین میں داخلہ کیوں نہیں مل سکتا؟" یہ ایک ان کہا سوال ہے۔ کوئی بھی اسے کھل کر نہیں کہنا چاہتا۔ "مسئلہ ترکی کا ایک بڑی مسلمان مملکت ہونا ہے"۔ وزیر خارجہ نے کہا' "کیا ہم اس (بڑی مسلم مملکت) کو یورپ میں چاہتے ہیں؟"۔ وزیر خارجہ کی یہ بات سب ہی کے دل کی آواز تھی۔ ترکی کتنا ہی سیکولر ہو' مسلمان ہے' یورپ عیسائی براعظم ہے۔ ان کے یورپ کے نقشے میں ترکی بہرحال نہیں ہے۔ ۱۴ دسمبر ۹۶ کو ڈبلن میں یورپی یونین کی سہ روزہ سربراہ کانفرنس کے اختتام پر ہونے والے عشائیے میں اربکان کو مدعو کیا گیا تھا جس میں شرکت سے انھوں نے یہ کہہ کر معذرت کی: "مجھے آپ کے ساتھ کھانا کھانے میں بڑی مسرت ہو اگر آپ اور آپ کے دوست ہمارے ساتھ equal European partner کی حیثیت سے گفتگو کرنے کے لیے تیار ہوں"۔ دراصل یورپ ترکی کو نہ جواب دینا چاہتا ہے' نہ قبول کرنا ہے' اسے فائدہ اسے انتظار میں رکھنے میں ہے تاکہ وہ یورپ کے باہر حلقہ اثر تلاش نہ کرے۔ وہ اسے نظرانداز بھی نہیں کر سکتا۔

یورپی پارلیمنٹ نے ۱۴۹ کے مقابلے میں ۳۴۹ ووٹوں سے ۳۱ دسمبر ۹۵ کو ترکی کی یورپی کسٹمز یونین کی رکنیت یہ جتا کر منظور کی کہ یہ وہ ترکی کو "اسلام کے اثرات سے بچانے کے لیے بوجھل دل کے ساتھ" کر رہے ہیں۔ اس وقت کی وزیراعظم چلر اسی پر ممبر ممالک' امریکہ اور اسرائیل کی احسان مند ہوئیں۔ ان کا خیال تھا کہ اسی طرح یورپی یونین کی مکمل ممبرشپ کی راہ ہموار ہو رہی ہے۔ حالانکہ جنوری سے نومبر ۹۶ تک گیارہ مہینوں میں اسی کی وجہ سے مخلوط حکومت کو ترکی کی ٹیکس کی آمدنی میں پانچ ارب ڈالر کی کمی ہوئی' اور یورپی برادری کے ممالک سے تجارت میں مزید پانچ ارب ڈالر کا نقصان ہوا۔ اب اربکان کا کہنا ہے کہ "ہم یورپی یونین میں داخلے کی بھیک مانگنے نہیں جائیں گے۔ اگر وہ چاہتے ہیں تو ہم کو قبول کریں اور اگر نہیں چاہتے تو نہ کریں۔ ہم ایشیا اور افریقہ کے ممالک سے تعلقات کو ترجیح دیتے ہیں"۔

وزیراعظم بننے کے بعد' اربکان نے' الجزائر سے انڈونیشیا تک ۸۰ کروڑ افراد کی اقتصادی برادری منظم کرنے کے لیے عملی اقدامات کیے ہیں۔ انھوں نے ان ممالک کے دورے کیے اور انھیں دنیا کے نئے نظام میں اپنا مقام حاصل کرنے کی حکمت عملی اختیار کرنے پر ابھارا۔ ان کی دعوت پر ۴-۵ جنوری کو انقرہ میں انڈونیشیا' ملائشیا' پاکستان' بنگلہ دیش' ایران' مصر' نائیجریا کے وزرا جمع ہوئے اور ترقی پذیر ممالک کا گروپ بنانے کا فیصلہ کیا۔ مستقبل کے لیے اس میں بڑے امکانات ہیں۔ یہ آٹھ ممالک (ڈی-۸) جی-۷ کے ساتھ پوری انسانیت کے لیے منصفانہ نظام کی ضمانت دے سکتے ہیں۔ مگر منصفانہ نظام کون چاہتا ہے؟ وہ تو ہرگز نہیں جو غیر منصفانہ نظام کے فائدے سمیٹ رہے ہیں۔ اس سال جون میں ان آٹھ ممالک کی سربراہ کانفرنس

متوقع ہے۔ اندیشہ ہے کہ اس سے پہلے ہی اربکان کی حکومت ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ ان کا سب سے بڑا قصور اور گناہ غالباً یہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ترکی نے اپنی مغرب نواز پالیسی میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں کی ہے۔ صرف یہ کیا ہے کہ ترکی کے اپنے مفاد میں کچھ اقدامات کیے ہیں۔ ترکی نے ایران کے ساتھ ۲۳ ارب ڈالر کی گیس خریدنے کا معاہدہ کیا ہے۔ یہ ٹینکر کے بجائے پائپ لائن کے ذریعے آنے سے ۳۰ فی صد بچت ہو گی۔ پائپ لائن کی تعمیر ایک ماہ میں شروع ہونے والی ہے۔ امریکہ کا موقف ہے کہ یہ ایران پر پابندیاں توڑنے کے مترادف ہے۔ عملاً کئی یورپی ممالک اور امریکی کمپنیاں بھی ایران کے ساتھ کاروبار کر رہی ہیں۔ ترکی نے نائیجریا' یمن اور مصر سے بھی گیس خریدنے کے معاہدے کیے ہیں۔ اسرائیل کو شکایت ہے کہ مصر سے کیوں خریدی جا رہی ہے۔

ایسا شاید صرف ترکی میں ہی ہو سکتا ہے کہ سیاسی حکومت کو مطلع کیے بغیر' ترک جنرل اسرائیل سے ہر طرح کے معاہدے کیے چلے جا رہے ہیں۔ حال ہی میں ترکی کے چیف آف جنرل اسٹاف جنرل حکی کارادائی (Hakki Karadayi) اسرائیل گئے اور ٹھیک اسی وقت بیت المقدس میں جو مظالم ہو رہے تھے' اس سے آنکھیں بند کر کے' ترکی اور اسرائیل کے "حقیقی اخلاقی اور جذباتی روابط" کو خراج تحسین پیش کیا۔ (ٹی آرٹی ریڈیو' انقرہ' ۲۶ فروری ۹۷' گرینوچ مین ٹائم)

انھوں نے اسرائیل کے صدر' وزیراعظم سب سے ملاقاتیں کیں' لیکن ہر طرح کے اظہار وفاداری کے باوجود' اسرائیل کے اخبار Haaretz نے ۲۴ فروری کی اشاعت میں اس اندیشہ کا اظہار کیا کہ "اسرائیل میں یہ خطرہ محسوس کیا جاتا ہے کہ ترکی سے تعلقات تیسری دنیا کے ممالک کو معلومات منتقل ہونے کا سبب بنیں گے"۔

۲۷ فروری کو جنرل کارادائی اسرائیل سے واپس آئے اور ۲۸ فروری کو ترکی کی قومی سلامتی کونسل کا اجلاس ہوا۔ یہ کھلا راز ترکی میں اور مغرب میں سب پر ظاہر تھا کہ کونسل اربکان کو نوٹس دے گی کہ وہ اپنے بنیاد پرستانہ اقدامات کو روکیں' بصورت دیگر برطرف کرنے کے لیے اربکان کو مشتعل کر کے راستہ ہموار کیا جائے گا' اس میں ناکام ہونے پر اس میں بھی تکلف نہ کیا جائے گا کہ اسے کسی غیر خونی' اور ضروری ہو تو' خونی انقلاب کے ذریعے اقتدار سے ہٹا دیا جائے۔ چنانچہ اربکان کے ہاتھ میں ۲۴ نکاتی ایجنڈا دے دیا گیا اور یہ بھی مشہور ہو گیا کہ انھوں نے اپنے پروانے پر دستخط کر دیے ہیں۔

ترکی کے فوجی جنرل کن باتوں میں خطرے کی بو سونگھ رہے ہیں؟ شاید ہمیں ان پر ہنسی آئے لیکن یہ ادراک بھی ہو گا کہ اربکانؒ اور ترکی کے اسلام دوستوں کو کتنے فاصلے طے کرنے ہیں۔ ۱۔ ملازمت پیشہ خواتین

اور طالبات کو یہ اجازت کہ وہ چاہیں تو سروں پر اسکارف باندھیں۔ ۲۔ عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی کی کھالیں قرآن اسکولوں کو دینا۔ ۳۔ استنبول کے علاقے تقسیم اور انقرہ کے ضلع سنکایا میں تعمیر مسجد کی تجویز۔ ۴۔ دفتری اوقات میں تبدیلی تاکہ لوگ جمعہ کی نماز ادا کرسکیں۔ رمضان میں اوقات کار میں وقفہ تاکہ لوگ روزہ افطار کرسکیں۔ ۵۔ مکہ مکرمہ تک ایک سپرہائی وے کی تعمیر تاکہ ترک کم خرچ پر سہولت سے فریضہ حج ادا کرسکیں اور راستے کے علاقوں سے تجارت میں اضافہ ہو۔ ۶۔ وزیراعظم کا مذہبی رہنماؤں کو دعوت افطار پر بلانا کیوں کہ مہمان اپنے روایتی لباسوں میں آئے اور اس طرح سرکاری لباس کی پابندی کی خلاف ورزی ہوئی۔

اسکارف کے مسئلے پر سیکولر لابی کی نمایندہ خواتین نے ایک مظاہرہ کیا جس کی تصاویر عالمی پریس میں (پاکستانی اخبارات میں بھی) شائع ہوئیں۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اربکان نے کہا "جو لوگ اپنے کو نام نہاد سیکولرسٹ کہتے ہیں، مظاہرہ کرتے ہیں، اسکارف پر خطرے کا نشان بناتے ہیں، وہ اسے سیکولرازم کے حق میں مظاہرہ قرار دیتے ہیں لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے کیونکہ اس طرح اسکارف باندھنے والوں کو مسترد کیا جاتا ہے اور خارج کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اسکارف باندھنے والیاں جمع ہوں، اور نہ باندھنے والوں کو دھمکیاں دیں، ان کی مذمت کریں، ان پر لعنت بھیجیں تو یہ بھی سیکولرازم کے خلاف ہوگا۔ سیکولرازم اس تضاد کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر کچھ لوگ اب بھی سابق ری پبلک پارٹی کے نظریات رکھتے ہیں، تو ان کو، نہ کہ ترکی کو، بدلنا چاہیے۔ ان کا دور ختم ہو چکا ہے۔ نیا ترکی بیدار ہے۔ آپ جائیں اور شمار کریں۔ ہماری نوے فی صد خواتین سر ڈھانکتی ہیں۔ آپ کسی گاؤں یا ضلع میں پانچ ایسی عورتیں نہیں پائیں گے جو سر ننگا رکھتی ہوں، یہ ایک قوم کی روایت ہے، قومی لباس ہے، عقیدہ ہے۔ کیا آپ کے پاس کرنے کے لیے کوئی اور کام نہیں رہ گیا ہے۔ آپ لوگوں کے سر ڈھانکنے کے معاملات میں کیوں دخل دیتے ہیں؟ یہ غلط ہے، outdated، reactionary ہے۔ آپ fossils ہیں۔ آپ اس ذہنیت کو عام نہیں کرسکتے۔ اس لیے اس کے لیے خواہ مخواہ کوشش نہ کریں۔ آپ عوام سے نہیں لڑ سکتے۔ آپ عوام کے عقیدے اور ان کی تاریخ سے نہیں لڑ سکتے (۱۸ فروری ۹۷ کو رفاہ کے اسمبلی ممبران سے خطاب کرتے ہوئے)۔

فروری میں ایک واقعہ اور ہو گیا۔ انقرہ کے قریب ایک قصبے سنکان میں رفاہ کی بلدیہ کے زیر اہتمام القدس کی شب منائی گئی۔ ایک ڈرامے میں القدس کی آزادی کے لیے جہاد کرنے والوں کو خراج تحسین پیش کیا گیا، ایرانی سفیر نے صیہونیت کے خلاف تقریر کی۔ فوجی ایوانوں میں اس سے بھی زلزلہ آگیا۔ قصبے کی سڑکوں پر تیس ٹینکوں اور فوجی گاڑیوں نے مارچ کیا تاکہ لوگوں کو حقائق کا احساس دلایا جائے۔ میئر باقریلدز پر فرد جرم عاید کر دی گئی، ایرانی سفیر از خود واپس چلے گئے۔

جب ترکی میں انتخابات کے نتائج آئے اور رفاہ پارٹی کے حکومت بنانے کے امکانات پیدا ہوئے تو

اسرائیل کی جانب سے اس اعتماد کا اظہار کیا گیا تھا کہ صدر سلیمان ڈیمرل' جو فری میسن ہیں' اور فوجی جنرل ایسا نہ ہونے دیں گے۔ اب ۸ ماہ بعد اسرائیل اور مغربی ممالک یہ چاہتے ہیں کہ کسی بھی طرح اس حکومت سے نجات حاصل کی جائے۔ چلر نے انکشاف کیا کہ ترکی میں حکومت قائم ہوتے ہوئے بھی' مسعود یلماز نے مدر لینڈ پارٹی کی جانب سے کسی شرط کے بغیر حکومت بنانے کی پیشکش کی ہے' یعنی چلر وزیراعظم ہو جائیں۔ لیکن چلر یہ سمجھتی ہیں کہ موجودہ موقع ترکی تاریخ کا وہ موقع ہے کہ آٹھ دس سال کی مستحکم حکومت سے ملک مسائل کے گرداب سے نکل آئے۔ مسعود یلماز ناقابل اعتبار شخصیت ہیں جب کہ رفاہ کے ساتھ ان کا تجربہ خوشگوار رہا ہے۔ دوسری طرف نیشنلسٹ موومنٹ پارٹی کے لیڈر ارسلان ترکیز' آج کل کسی کے اشارے پر' ان کوششوں میں ہیں کہ چلر کی پارٹی کے لوگوں کو رفاہ کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ کریں۔ اپنی سادگی میں وہ کل کہانی ایک ممبر پارلیمنٹ سے جسے وہ مدر لینڈ کا سمجھے تھے' جب کہ وہ رفاہ کا تھا' کہہ گئے۔ لیکن جیسا کہ رفاہ کے ایک ممبر پارلیمنٹ کرم اوغلو نے کہا کہ یہ مخلوط حکومت جاری رہے گی کیونکہ یہ 'حلال شادی' ہے۔

سیکولرازم میں جمہوریت اور رواداری کا بڑا پرچار کیا جاتا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ترکی میں سیکولرازم' تنگ نظری' تشدد اور عدم رواداری کا نام ہے۔ اربکان کی پالیسیوں سے ترک سیکولرازم کا حقیقی چہرہ' دنیا کے سامنے اور ترک عوام کے سامنے کھل کر آ گیا ہے۔ مجھے آج سے ۴۲ سال پہلے کے طلبہ کے رسالے اسٹوڈنٹس وائس کی ایک سرخی یاد آتی ہے: These Western Mullahs' یعنی تنگ نظری کا الزام تو ملاؤں پر ہے جب کہ حقیقتاً اس مفہوم میں یہ خود ملا ہیں کہ دوسرے کی برداشت نہیں ہے۔ جمہوریت کے دعویدار ہیں' لیکن صرف وہ جمہوریت جس میں ان کا اقتدار رہے۔ الجیریا کی کیا کہانی ہے۔ مصر میں کیا ہو رہا ہے۔ کیوں نہیں ان ممالک میں بلکہ تمام ممالک میں عوام کی مرضی کو بروئے کار آنے کا موقع دے کر جمہوریت کا بول بولا کیا جاتا۔

ترکی کی اہمیت محتاج بیان نہیں' نہایت اہم ملک ہے' مغرب اسے بخوبی محسوس کرتا ہے۔ دی ٹائمز لندن نے ۱۴ جنوری ۱۹۹۷ کو اپنے اداریے Athens and Ankara: The Eastern Question has returned, dangerous and complex. میں لکھا: ترک حکومت کے اسلامی وزیراعظم نجم الدین اربکان مغربی ساتھیوں کے کسی طرح کے دباؤ میں آنے کے موڈ میں نظر نہیں آتے۔ ترکی کو نہایت اہم اسٹرے ٹیجک مقام حاصل ہے۔ شرق اوسط' روس اور وسط ایشیا تک اس کی پہنچ ہے۔ اس کی فوجی اور اقتصادی طاقت قابل لحاظ ہے لیکن یہ خود اپنی پیدا کردہ سیاسی خراب صورت حال اور روحانی امراض میں گرفتار ہے۔ اس کے یورپی اور امریکی ساتھیوں نے انقرہ سے اپنے تعلقات از سر نو استوار کرنے

کے لیے کوئی مربوط حکمت عملی نہیں اپنائی ہے۔ اپنی تمام تر سیاسی پیچیدگی اور خطرات کے ساتھ Eastern Question دوبارہ سامنے آ رہا ہے۔

ترکی خلافت عثمانیہ کا جانشین ہے۔ احیائے اسلام کی لہریں ترکی معاشرے میں تموج پیدا کر چکی ہیں۔ سیکولرازم کے محافظ اپنے جزیرے میں اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ شاید یہ خود اپنی تاریخ سے واقف نہیں ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اربکان کو ہٹا کر یا رفاہ پر پابندی لگا کر وہ ترکی کے اسلامی تشخص کو مٹا سکتے ہیں لیکن اسلام اربکان یا رفاہ کے ساتھ وابستہ نہیں ہے۔ اسلام' اربکان اور رفاہ پیدا کرتا رہے گا۔ کاش وہ محسوس کریں کہ ترکی نام نہاد سیکولرازم کی کتنی قیمت ادا کر چکا ہے! امت مسلمہ کے قائد سے یورپ کے اچھوت ملک تک! اگر آج فوج کے جنرل اپنے عوام کے ساتھ آئیں تو ملک و ملت کی بہتری ہے' دشمنوں کے ہاتھ میں کھیل کر' الجیریا کی طرح خانہ جنگی کی صورت پیدا کرنا' ترکی کے مستقبل کے لیے کوئی نیک فال نہیں۔

ان کے سرپرستوں کو بھی اب سمجھنا چاہیے کہ زمانے کی رت بدل رہی ہے۔ ان کی رواداری' جمہوریت' آزادی' انسانی حقوق کے تصورات کا تقاضا ہے کہ وہ ترک معاشرے کے تاریخی کردار ادا کرنے میں رکاوٹ نہ بنیں' نہ صرف ترک معاشرے کو بلکہ تمام مسلم معاشروں کو بھی آزادی اور جمہوریت کی نعمتوں سے فیض یاب ہونے دیں۔ ان کے گماشتے یہاں اپنے عوام پر ظلم کرنے' حقوق سے محروم کرنے اور ان کی مرضی کے خلاف معاملات چلانے کے بجائے' اپنی تقدیر' اپنے ملک اور عوام کے ساتھ وابستہ کریں۔

(ماہنامہ امپیکٹ لندن' مارچ ۹۷ سے ماخوذ)

یورپ میں دعوت دین کے تقاضے

ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی

گذشتہ سال میں اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ نوٹنگھم (انگلینڈ) میں ایک مارکیٹ کی طرف جا رہا تھا' تو دیکھا کہ ایک مصروف چوراہے پر کچھ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں میگافون پر کچھ کہہ رہے ہیں اور ساتھ ہی آنے جانے والوں میں پمفلٹ تقسیم کر رہے ہیں۔ پمفلٹ لے کر دیکھے تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ عیسائیت کی تبلیغ کر رہے ہیں۔

عیسائیت کی تبلیغ کا یہ طریق کار بہت عام ہے۔ سڑکوں اور راستوں پر' مارکیٹوں اور چوراہوں میں کھڑے ہو کر لوگوں کو حضرت یسوع مسیح کے مذہب کی دعوت دی جاتی ہے۔ میں یہ سوچتا رہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام تو صرف بنی اسرائیل کی گم گشتہ بھیڑوں کی رکھوالی کے لیے مبعوث ہوئے تھے لیکن ان کے پیروکار ساری دنیا میں کہیں طاقت اور دہشت گردی کے زور پر' اور کہیں تبلیغ و تحریص کے ذریعے انسانوں کی پوری نسل کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک رہے ہیں اور وہ "خیر امت" جس کو اللہ تعالیٰ نے بطور خاص کار نبوت کا تسلسل برقرار رکھنے کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے مبعوث فرمایا تھا' اپنا فرض منصبی فراموش کر کے کسی "مہدی منتظر" کے لیے چشم براہ ہے۔

انگلینڈ کے طول و عرض میں چند ہی ادارے ایسے ہیں جو اسلام کا پیغام لے کر مثبت انداز میں اہل کتاب یا غیر مسلموں کے دروازوں پر دستک دیتے ہیں۔ ورنہ عام طور پر تبلیغ اور تعلیم کو اس طرح گڈمڈ کر دیا گیا ہے کہ مساجد اور اسلامک سنٹرز میں ہونے والے وعظ و دروس کو ہی تبلیغ سمجھا جاتا ہے۔ یہ غلط فہمی جتنی جلد دور کر لی جائے اتنا ہی بہتر ہے' کیونکہ مسجد میں تو وہی شخص آتا ہے جو عبادت کرنے یا دین کے بارے میں کچھ سیکھنے کے لیے ازخود مسجد میں آنا چاہتا ہے۔ لیکن وہ تشنگان ہدایت جنھیں معلوم ہی نہیں کہ ان کی پیاس بجھانے کے لیے زلال صافی کے جام کہاں چھلکتے ہیں' وہ جاں بلب مریض جنھیں خبر ہی نہیں کہ ان کی بیماری کے لیے نسخہ شفا کس دکان پر دستیاب ہے' ان تک اپنی گراں قدر "متاع" کی افادیت کا پیغام پہنچانے کے لیے اہل اسلام نے اس میڈیا کی دنیا میں ابھی تک کوئی قابل ذکر پیش رفت نہیں کی ہے۔

اگر انسانی برادری تک پیغام ہدایت پہنچانے کا یہی طریقہ ہوتا کہ جو کوئی طلب گار بن کر نیاز مندانہ حاضری دے، اسے سرفراز کیا جائے تو اسلام کبھی فرد اول سے آگے نہ بڑھتا۔ کون نہیں جانتا کہ انبیا کرام نے اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے میلوں اور منڈیوں میں ہی نہیں بت کدوں میں بھی اذانیں دیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تبلیغ کے لیے اس بت کدے کو منتخب فرمایا جس میں ان کے باپ آزر اور دوسرے صنعت گروں کے تراشیدہ بت قطار اندر قطار کھڑے تھے اور قوم انھی کو نفع و نقصان کا مالک سمجھتی تھی۔ قرآن گواہ ہے کہ اس بت کدے میں جانے سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا تقدس مجروح ہوا نہ عظمت پیغمبرانہ پر حرف آیا بلکہ آپ نے جھوٹے خداؤں کی بے بضاعتی عملاً ثابت کر کے قوم کو لاجواب کر دیا۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے دربار میں توحید خداوندی کے دلائل دیے اور پھر جب حق و باطل میں مقابلے کے لیے جگہ اور وقت کے انتخاب کا مرحلہ آیا تو موسیٰ علیہ السلام نے خود وقت اور دن کا انتخاب کرتے ہوئے فرمایا: "جشن کا دن طے ہوا اور دن چڑھے لوگ جمع ہوں" (طٰہٰ ۲۰:۵۹)۔ یہ ایسا دن تھا جس میں تمام لوگ دارالسلطنت میں آجاتے اور وہاں بہت بڑا میلہ لگتا۔ آپ نے جشن کا دن، میلے کا میدان اور دن کی روشنی کو حق و باطل کے معرکے کے لیے منتخب فرمایا تاکہ کہیں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تبلیغ کا آغاز فرمایا تو آپؐ ایک ایک فرد کے پاس تشریف لے جاتے، اسے توحید کی حقانیت ذہن نشین کراتے، آخرت کی جواب دہی کے تصور سے آشنا فرماتے۔ پھر آپؐ نے عرب کے روایتی میلوں کے اجتماعات سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ ان میلوں میں کیا ہوتا تھا؟ یہ کوئی مذہبی یا دینی اجتماعات نہیں تھے۔ ان میں وہ سب کچھ ہوتا تھا جو عرب جاہلیت کے میلوں میں تصور کیا جا سکتا ہے۔ گھوڑدوڑ اور کشتی کے مقابلے ہوتے، مختلف کھیل اور کرتب پیش کیے جاتے، شراب کے دور چلتے اور شاعری کا مقابلہ ہوتا، عورتوں کی خوبصورتی کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جاتے اور اسی ماحول میں اس کائنات کی سب سے مقدس ہستی ایک ایک فرد، ایک ایک قبیلے اور گروہ کے پاس جاتی اور کہتی---،

قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا، "لا الٰہ الا اللہ کہو، کامیاب ہو جاؤ گے"۔

حجاز میں عکاظ، یعینہ اور ذی المجاز کے میلے لگتے جن میں دور دراز سے لوگ آتے، آپؐ ہر میلے میں تشریف لے جاتے اور لوگوں تک اسلام کی تعلیمات پہنچاتے۔ ہر گلی اور محلے میں تشریف لے جاتے، رؤسائے قریش سے ملتے، عام لوگوں سے راہ و رسم پیدا کرتے، ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے، ان کے بیماروں کی تیمارداری کرتے، ان کے فقرا و مساکین کو خود کما کر کھلاتے، ان کے بوجھ اٹھاتے، ان کے قرضے ادا کرتے، ان کی امانتوں کی حفاظت فرماتے، ان کی مہمان نوازی فرماتے اور ناگہانی آفتوں میں ان کے لیے اپنی خدمات وقف کر دیتے۔ یہ کون لوگ تھے جن کی خدمت کے لیے کائنات کا آقا وقف ہو گیا تھا؟ یہ وہی لوگ

تھے جو بتوں کو پوجتے، شراب پیتے، جوا کھیلتے، بدکاری کرتے، بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے، چوریاں کرتے، ڈاکے ڈالتے، یتیموں کے مال ہڑپ کر جاتے۔ لیکن بنی نوع انسان کی رہنمائی کی ذمہ داری اٹھانے والے آقا اس امر سے آگاہ تھے کہ یہی ان کا خام مال (raw material) ہے اور کوئی صنعت کار اپنے خام مال سے نفرت نہیں کرتا، خواہ وہ کسی حالت میں ہو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام رسانی کے کسی ایک متعین طریقے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس دور میں جتنے طریقے متداول تھے، آپ نے اختیار فرمائے۔ آپ نے ایک ایک فرد تک رسائی حاصل کر کے اور انفرادی ملاقاتیں کر کے لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کیا، آپ نے جلسوں، اجتماعات اور میلوں سے خطاب فرمایا، آپ نے اہل علم کے وفود بھیج کر اسلام کے پیغام کو عام کیا، آپ نے امرا اور بادشاہوں کے نام خطوط لکھ کر ان کو اسلام کی دعوت دی، آپ نے باہر سے آنے والے وفود کے سامنے قرآن حکیم کی تعلیمات پیش کیں، آپ نے اسلام کی راہ میں مزاحم طاقتوں کو اس طرح سے ہٹا دیا جس طرح کسی شخص کے جسم کے گلے سڑے عضو کو آپریشن کر کے الگ کر دیا جاتا ہے تاکہ جسم کے صحت مند حصوں کو اس کے زہر سے بچایا جائے۔

آپ کا یہ طریق تبلیغ ہمیں بتاتا ہے کہ اپنے دور کے مطابق ہمیں ہر وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے جس سے زیادہ سے زیادہ لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچایا جا سکے۔

آج الیکٹرانک میڈیا کا دور ہے۔ معلومات کا سیلاب لمحوں میں دنیا کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک پہنچ رہا ہے۔ ہم اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ آج ہر طرح کی معلومات بہت عام ہیں اور ہر شخص کی رسائی میں ہیں، جب کہ امر واقعہ یہ ہے کہ صرف وہی معلومات دنیا بھر میں عام کی جاتی ہیں جنھیں عالمی خبر رساں ایجنسیاں عام کرنا چاہتی ہیں اور یہ کوئی راز نہیں کہ عالمی میڈیا مکمل طور پر یہود کے قبضے میں ہے اور یہود جو چیز دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں لمحوں میں ساری دنیا میں مشہور کر دیتے ہیں، جب کہ مسلمانوں کے پاس ایسا کوئی ادارہ بھی نہیں ہے جو دنیا میں سچ عام کرنے کے لیے موثر کردار ادا کر سکے۔

بلاشبہ تبلیغی جماعت کے اثرات ساری دنیا میں حیرت انگیز ہیں۔ مولانا محمد الیاس رحمتہ اللہ علیہ نے کام کے موجودہ طریق کار اور معیار کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ ایسے ہی ہے جیسے قرآن حکیم پڑھانے کے لیے پہلے قاعدہ پڑھایا جاتا ہے۔ یقیناً ان کے ذہن میں یہ بات تھی کہ قاعدہ پڑھنے والوں کو آگے کے تعلیمی مراحل سے بھی آشنا کیا جائے گا۔ لہٰذا طریق کار میں تنوع پیدا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وسعت کے ساتھ ترقی کا عمل بھی جاری رہے۔

جو لوگ نسلاً بعد نسل مسلمان ہیں گو انھیں یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ قدیم ترین زمانے سے اسلام

سے وابستہ ہیں لیکن بالعموم ان میں وہ جوش، جذبہ اور ولولہ مدہم پڑ جاتا ہے جو نئے مسلمانوں کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ نئے خون کو شامل کرنے اور ان کے جوش اور ولولے سے فائدہ اٹھانے کی مساعی تیز تر کی جائیں۔

برصغیر پاک و ہند کے معروف دینی مدارس کے فضلا نے دنیا کے طول و عرض میں دینی مدارس قائم کیے ہیں جنھیں دیکھ کر ایک گونہ خوشی ہوتی ہے۔ اگر دینی تعلیم کے لیے مقامی زبانوں کو ہی ذریعہ اظہار و تدریس بنایا جائے اور بطور اساتذہ مقامی علما کی خدمات حاصل کی جائیں اور طلبہ کو اسلام کی اصلی زبان یعنی عربی کی تعلیم کا ہی مکلف بنایا جائے تو نہ صرف محنت، وقت اور وسائل میں کفایت ہو سکتی ہے بلکہ اسلام ان ممالک میں زبان و ثقافت کے حوالے سے اپنی جڑیں مضبوط کر سکتا ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ کسی متعین زبان کے لیے اصرار کرنا اسلام کی آفاقیت سے بھی مطابقت نہیں رکھتا۔ ابھی پچھلی صدی تک ہمارے ہاں فارسی ذریعہ تدریس تھی۔ اب بھی کئی مدارس میں علاقائی زبانوں میں تدریس ہوتی ہے اس لیے انگلینڈ، امریکہ، جنوبی افریقہ، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ وغیرہ ممالک کے لیے عربی اور انگریزی پر مکمل دسترس رکھنے والے اساتذہ کی جو دینی کتب کی تدریس میں مہارت رکھتے ہوں، تربیت اور تیاری کی ضرورت ہے۔

غیر ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کی تربیت بھی خصوصی توجہ چاہتی ہے۔ انگلینڈ میں ایک نومسلم، مسلمانوں کے بارے میں یہ شکایت کر رہے تھے کہ کوئی مسلمان اپنے پڑوسی انگریز کی خیر و عافیت دریافت نہیں کرتا، کبھی اسے کھانے یا چائے پر نہیں بلاتا بلکہ جب آمنا سامنا ہو تو معمول کی مسکراہٹوں کے تبادلے کے بجائے اس طرح گھور گھور کر دیکھتا ہے جیسے ان میں نفرت و عداوت کا رشتہ ہے۔ آخر مسلمان رسول اکرمؐ کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کیوں نہیں کرتے اور اپنے اخلاق و کردار سے، اپنے برتاؤ اور خدمت خلق سے لوگوں کو اپنا گرویدہ کیوں نہیں بنا لیتے؟ قرآن حکیم تو یہ کہتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی عدیم النظیر محبت اور جانثاری کا سبب نبی اکرمؐ کا نرم مزاج اور حسن اخلاق تھا۔ اگر آپ سخت مزاج ہوتے تو اپنے تمام دوسرے کمالات کے باوجود صحابہ کرام کے دل نہ جیت سکتے۔ (آل عمران ۳:۱۵۹) مسلمانوں کے لیے قرآن حکیم کے اس پیغام میں رہنمائی کا ایک گراں قدر سبق ہے۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ مغرب میں مسلمانوں کے خلاف بے پناہ تعصب ہے لیکن ہمارے خیال میں یہ ایک مبالغہ آمیز بیان ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آج دنیا میں کسی بھی جگہ مسلمانوں کے خلاف اس درجے کا تعصب نہیں ہے جس درجے کا تعصب مکہ معظمہ میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف تھا، لیکن آپ نے وہی تعصب اپنے اخلاق سے محبت میں تبدیل کر دیا۔

یہ درست ہے کہ مغرب میں ایک مخصوص حلقے میں اسلام کے خلاف بہت تعصب پایا جاتا ہے لیکن عوام میں ایسا نہیں۔ ایک صاحب جو طویل عرصے سے امریکہ میں قیام پذیر ہیں اور دعوت و تبلیغ کے کام میں مصروف' اپنے تجربات بتاتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ وہاں لوگ عقیدہ یوں تبدیل کر لیتے ہیں جیسے کوئی شخص اپنا پرانا کوٹ اتار پھینکے اور اس کی جگہ نیا کوٹ زیب تن کر لے۔ اگر ہم ایسے افراد کی اس طرح تربیت کر سکیں کہ اس نومسلم کے خاندان کو احساس ہو کہ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ایک بدلا ہوا اور بہت بہتر انسان ہو گیا ہے تو اس شخص کا رویہ خود تبلیغ اسلام کا موثر ذریعہ ہو سکتا ہے۔

اہل کتاب سے رابطہ کرنے کے لیے اگر قرآن حکیم کی تعلیمات کو بنیاد بنایا جائے تو حیرت انگیز نتائج سامنے آ سکتے ہیں۔ قرآن حکیم نے اہل کتاب سے مکالمے (dialogue) کے لیے ٹھوس بنیاد فراہم کی ہے۔ توحید کا عقیدہ ایک ایسی بنیاد ہے جو باہمی مفاہمت کا نقطہ آغاز ہو سکتی ہے۔ قرآن حکیم نے ایسی رہنمائی کی ہے جس کی نہ صرف واقعاتی اور تحقیقی اہمیت ہے بلکہ اس کی نفسیاتی افادیت کو شاید آج تک پورے طور پر جانچا نہیں گیا۔ اپنے آبائی عقیدے کو غلط قرار دے کر اسے ترک کر دینا بالعموم ایک انتہائی مشکل مرحلہ ہے جس سے ہر شخص آسانی سے نہیں گزر سکتا۔ قرآن حکیم نے اپنا تعارف ہی یوں کرایا ہے کہ وہ پہلی کتابوں کی تکذیب یا تغلیط نہیں کرتا بلکہ وہ ان کی تصدیق کرتا ہے اور لوگوں نے ان میں جو حک و اضافہ یا ترمیم و تنسیخ کر دی ہے اس کی اصلاح کر کے انھیں دوبارہ الہامی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ گویا قرآن حکیم آسمانی ہدایت کا سب سے مستند' آخری اور غیر مبدل نسخہ ہے جس سے پہلی الہامی کتابوں کی تصدیق ہوتی ہے اور جہاں کہیں ان کتابوں کے اندراجات میں بے یقینی پیدا ہو گئی ہے انھیں قرآن کی روشنی میں دور کیا جا سکتا ہے۔ گویا اسلام ان کے قدیم عقیدے اور مذہب کا تسلسل اور جدید ترین' مکمل ترین اور آخری الہامی ہدایت۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن کو بائبل کی تکمیل اور تصحیح کرنے والی کتاب کے طور پر پیش کیا جائے۔

خدمت خلق اور دعوت دین کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ رسول اکرمؐ کے حوالے سے ہم اس کی اہمیت دیکھ چکے ہیں۔ اس اہم نکتے کو مسیحی مشنری اداروں نے بہت عمدگی سے سمجھا ہے۔ دو سال پہلے ہمیں جزائر فجی جانے کا اتفاق ہوا۔ جزائر فجی آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے درمیان ہیں۔ وہاں کے قدیم باشندے افریقہ سے آئے ہوئے ہیں۔ ان کے خدوخال میں افریقی رنگ اور شکل کے اثرات بہت نمایاں ہیں۔ افریقہ کے آدم خور قبائل سے تعلق رکھنے کی وجہ سے یہ لوگ بھی آدم خور تھے۔ یہاں اٹھارہویں صدی میں عیسائی مشنریوں نے آنا شروع کیا۔ پہلے پہل جو عیسائی مبلغین آئے ان کو مقامی باشندے ابال کر کھا جاتے تھے۔ اس سلسلے میں کئی دلچسپ کہانیاں وہاں مشہور ہیں۔ ایک قدیم باشندے کی قبر زیارت گہ خلائق ہے جس کے

بارے میں روایت ہے کہ اس نے ننانوے افراد سے لذت کام و دہن کا کام لیا۔ ان مشکلات کے باوجود مبلغین نے اپنی کوششوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ وہاں انھوں نے ایک ادارہ قائم کیا جو تمام لوگوں کو بلالحاظ مذہب و نسل مکان بنوا کر دیتا تھا۔ ہر کالونی کے وسط میں ایک گرجا تعمیر کیا جاتا اور وہاں مستقل طور پر پادری اور سسٹرز رکھی جاتیں جو بیماروں کے علاج' ضرورت مندوں کی کفالت اور دوسری رفاہی خدمات انجام دیتیں۔ مقامی آبادی سے ان کا صرف ایک مطالبہ ہوتا کہ وہ ہر اتوار کو لازماً گرجا میں آئیں اور پادری کا وعظ سنیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام مقامی آبادی حلقہ بگوش مسیحیت ہو گئی۔

اب وہاں برصغیر سے گئے ہوئے مسلمان بھی خاصی تعداد میں ہیں اور بہت فعال' لیکن انھوں نے اس بات پر "اجماع" کیا ہوا ہے کہ مقامی آبادی کو اسلام کی دعوت نہیں دینا ہے۔ اگرچہ انھیں یقین ہے کہ ان لوگوں کو دعوت دینے سے بہت جلد اکثریت کو دائرہ اسلام میں لایا جا سکتا ہے۔ لیکن وہاں کے مسلمانوں کا خیال ہے کہ مقامی لوگ اس قدر بے مصرف ہیں کہ ان کو دائرہ اسلام میں لانے سے ان کا بوجھ مسلمانوں پر پڑے گا۔ جس کے وہ متحمل نہیں ہو سکتے۔

لگ بھگ بیس سال پہلے مکہ معظمہ میں ایک امریکی نومسلم طالب علم سے ملاقات رہی۔ کئی روز مختلف موضوعات پر گفتگو کا سلسلہ چلتا رہا۔ ایک روز مجھے کہنے لگے' آپ لوگ جن کے پاس دین کا حقیقی علم ہے' قیامت کے روز اللہ کو کیا جواب دیں گے کہ امریکہ میں (چونکہ ان کا تعلق امریکہ سے تھا اس لیے فطری طور پر اپنے ملک کے بارے میں زیادہ حساس تھے) لاکھوں انسان حق کی تلاش میں بھٹک رہے ہیں اور آپ نے ان تک پیغام نہیں پہنچایا۔ میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ آیئے ہم سب مل کر اس سوال کا جواب تیار کریں۔

رسائل و مسائل

جہاد یا فساد؟

گذشتہ دنوں ایک کیسٹ سننے کو ملی جس میں کہا گیا ہے کہ جہاد بغیر اقتدار کے نہیں ہو سکتا۔ جہاد کے لیے اقتدار لازمی شرط ہے۔ اقتدار کے بغیر جہاد نہیں فساد ہوتا ہے۔ اس کی مثال اس طرح دی گئی کہ مکہ میں نبی کریمؐ پر اور ان کے ساتھیوں پر ظلم ہوتے رہے لیکن آپؐ نے جہاد کے لیے حکم نہیں دیا۔ البتہ مدینہ جا کر جب حکومت بنا لی اور اقتدار مل گیا تب جہاد کیا۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ کے ساتھ پوری قوم تھی لیکن انھوں نے فرعون کے خلاف جہاد کا اعلان نہیں کیا بلکہ سیاسی طور پر اپنے مطالبات اس کے سامنے رکھے اور منوائے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر چڑھا دیا گیا لیکن انھوں نے جہاد کے لیے نہیں پکارا۔ موجودہ دور میں افغانستان کی مثال ہے کہ جب تک حکومت پاکستان اس جہاد کی پشت پناہی کرتی رہی' اس کے ثمرات اچھے تھے لیکن جب حکومت پاکستان نے اس کی پشت پناہی چھوڑ دی تو وہ فساد بن گیا۔ اسی طرح جہاد کشمیر اور جہاد فلسطین ہے۔ وہاں جو اتنے لوگوں پر ظلم ہو رہا ہے' عورتوں کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے' یہ سب اسی وجہ سے ہے کہ جہاد کی پہلی شرط یعنی "اقتدار" پوری نہیں کی گئی۔ آپ سے گزارش ہے کہ کچھ رہنمائی فرمائیں تاکہ ذہن مطمئن ہو سکے۔

اصل جواب سے پہلے ان بنیادوں کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے جن پر جہاد و قتال فی سبیل اللہ کا مدار ہے۔ اگر وہ بنیادیں پائی جائیں تو جہاد نہ صرف جائز بلکہ فرض شمار ہوتا ہے اور نہ پائی جائیں تو جہاد شرائط پورا کرنے تک ملتوی ہوتا ہے۔ وہ بنیادیں درج ذیل ہیں:

(۱) جہاد اور قتال فی سبیل اللہ بلاشبہ اس لیے ہوتا ہے کہ انسانوں کے "تشریعی" اقتدار کو ختم کر کے اللہ تعالیٰ کا تشریعی اقتدار قائم کیا جائے۔ لہٰذا یہ جہاد اور قتال فی سبیل اللہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک ساری روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا اقتدار قائم نہ کر دیا جائے۔

(۲) جہاد کا مقصد جب اللہ کا تشریعی اقتدار قائم کرنا ہے تو پھر ضروری ہے کہ یہ جہاد و قتال وہ شخص یا گروہ کرے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے تشریعی اقتدار کو قائم کرنے کے لیے نامزد کیا ہو اور اس کے اقتدار کو اپنا اقتدار قرار دیا ہو۔

(۳) وہ شخص نبی اور اس کی امت ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے اپنا اقتدار زمین پر قائم کرتا ہے۔ وہ اپنا حکم نہیں بلکہ اللہ کا حکم چلاتے ہیں اور کوئی ایسا قانون نافذ نہیں کرتے اور کوئی ایسا قدم نہیں اٹھاتے جو اللہ تعالیٰ کے قانون کے خلاف ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی' رسول اور نامزد حکمران ہیں اور آپؐ کے بعد آپؐ کی امت آپؐ کی نائب ہے اور اس امت کو آپؐ کے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانا ہے۔ یہ امت جہاد کرے گی تا آں کہ ساری روئے زمین پر اللہ کا دین غالب ہو جائے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹا تو میں نے اس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھا اور میری امت کا اقتدار ان تمام حصوں تک پہنچے گا جو مجھے سمیٹ کر دکھائے گئے (یعنی ساری روئے زمین تک کہ سب آپ کو دکھائے گئے)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے جوامع الکلم (کتاب و سنت) کے ساتھ بھیجا گیا ہے اور میری مدد رعب سے کی گئی ہے۔ میں سویا تھا کہ اس دوران میں مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ چلے گئے اور تم لوگ (یعنی مسلمان) ان خزانوں کو نکال رہے ہو" (بخاری)۔ مطلب یہ ہے رسول اللہؐ کو زمین کا جو اقتدار دیا گیا ہے' ابو ہریرہؓ کے دور میں صحابہ کرامؓ کے ذریعے پایہ تکمیل کی طرف بڑھتے ہوئے قرب قیامت سے پہلے نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے دور میں پایہ تکمیل کو پہنچے گا۔

(۱) ان اصولوں کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ جہاد فرض ہے اور اس فرض کو عملی جامہ پہنایا جائے گا تاکہ اس کے نتیجے میں کفر اور کفار کا اقتدار ختم ہو اور اسلام اور مسلمانوں کا اقتدار قائم ہو' چاہے جہاد کرنے والے حکمران ہوں یا نہ ہوں۔ لہٰذا نہ صرف کشمیر و فلسطین کی آزادی بلکہ ساری دنیا کو عملاً اسلام کے لیے مسخر کرنے کی خاطر جہاد فرض ہے۔ یہ کہنا کہ جہاد کے لیے ضروری ہے کہ جہاد کرنے والے برسر اقتدار ہوں' ایک لغو' لایعنی اور تاریخ اسلام سے ناواقفیت پر مبنی بات ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے مقابلے میں اس لیے قتال نہیں کیا کہ بنی اسرائیل ابھی قتال کے قابل نہ ہوئے تھے بلکہ انھیں جب قتال کا حکم دیا گیا تو انھوں نے جواب دیا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ اور حضرت عیسیٰؑ تو رسولاً الیٰ بنی اسرائیل تھے اور مسلمانوں کے لیے آنے والا رسول گمراہ مسلمانوں سے قتال نہیں کیا کرتا جیسے کہ آج کل مسلمان ممالک میں' مسلمانوں میں دعوت و تبلیغ کے ذریعے انقلاب برپا کیا جائے گا' قتال کے ذریعے نہیں' الا یہ کہ الجزائر کی طرح لوگوں پر تلوار سونت لی جائے تو پھر انھیں دفاع کا حق حاصل ہو گا اور وہ جواباً اپنی حفاظت کی خاطر ظالم گروہ کے خلاف تلوار اٹھا سکیں گے۔ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں یہ کہنا کہ انھیں سولی پر چڑھایا گیا۔ قرآن پاک کی نص صریح وَمَا صَلَبُوْهُ "انھوں نے اسے سولی پر نہیں لٹکایا" کے خلاف ہے اور حضرت

عیسیٰؑ کی توہین کے علاوہ یہودیوں کی تائید ہے۔ اللہ اس قسم کی ناپاک جسارت سے اپنی پناہ میں رکھے۔ مکہ میں جہاد و قتال اس لیے نہیں کیا گیا کہ وہاں معاشرہ مخلوط تھا، مسلمانوں اور کفار کی آبادی علیحدہ نہ تھی، ایک ہی گھر میں ایک شخص مسلمان اور دوسرا کافر تھا، ایسی صورت میں اگر جنگ کا حکم ہوتا تو تحریک کو کچل کر رکھ دیا جاتا اور اس کا نام و نشان ختم ہو جاتا اور اسلام اور مسلمانوں کی اخلاقی ساکھ ختم ہو کر رہ جاتی۔ وہ اخلاقی خوبیاں جن کی بنا پر کسی تحریک، جماعت اور قوم کی قدر و منزلت قائم ہوتی ہے وہ بھی پامال ہوتیں اور تحریک میں کشش باقی نہ رہتی۔ وہ بنیادی اخلاق اور خوبیاں جن کی وجہ سے تحریک میں کشش تھی، یہ تھیں: انسانوں کو ان کا حقیقی مقام دلوانا، ظلم کا خاتمہ، یتیموں کی خدمت، بیواؤں کی اعانت، مسکینوں کی دیکھ بھال، بے سہارا لوگوں کو سہارا دینا، صلہ رحمی، مہمان نوازی، سچائی، پاک دامنی اور عدل و انصاف کا قیام۔ مکہ میں اگر جنگ برپا ہوتی تو پھر دنیا کے سامنے تحریک کا جو نقشہ آتا وہ کیا ہوتا؟ صلح حدیبیہ کے بعد ہرقل کے دربار میں جب ابوسفیانؓ سے پوچھا گیا کہ آپؐ کی دعوت کیا ہے تو انھوں نے جواب دیا، "یامرنا بالصدق والصلوٰة والعفاف" وہ ہمیں سچائی، نماز اور پاک دامنی کا حکم دیتے ہیں۔ مکہ میں اگر جنگ ہوتی تو پھر یہ جواب ہو سکتا تھا؟ اگر معاشرہ مخلوط نہ ہو تو بغیر اقتدار کے بھی جہاد کیا جائے گا۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بغیر اقتدار کے لوگوں نے جہاد کیا لیکن آپ نے اسے فساد قرار نہیں دیا۔ صلح حدیبیہ کے بعد ابوبصیر اور ان کے ساتھی اس نوع کی آزمایش سے دوچار ہوئے کہ وہ نہ مکہ میں رہ سکتے تھے اور نہ مدینہ کی اسلامی حکومت انھیں قبول کر سکتی تھی۔ ایسی صورت میں انھوں نے ساحل سمندر کے کنارے اپنا الگ مرکز قائم کیا جہاں سے وہ جہاد کرتے رہے تا آں کہ مشرکین قریش صلح حدیبیہ میں عائد کردہ شرط "جو مسلمان ہو کر مدینہ جائے گا اسے ہمارے پاس بھیجیں گے" کو واپس لینے پر مجبور ہو گئے۔

ابوبصیر اور ان کے ساتھیوں نے جو جہاد کیا اس کے جائز ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں۔ ہم سوال کرتے ہیں کہ کیا ان کے پاس حکومت تھی؟ اور کیا وہ رسول اللہؐ اور کفار قریش کے مقابلے میں ایک تیسری حکومت قائم کر رہے تھے؟ اگر نہیں تو کیا رسول اللہؐ نے ان کے اس جہاد کو فساد قرار دیا؟ ظاہر ہے کہ تمام سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔ نبیؐ اور صحابہ کرامؓ کی دلی ہمدردیاں ابوبصیر اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ تھیں لیکن صلح حدیبیہ کی رو سے آپ ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے باوجود ابوبصیر اور ان کے ساتھیوں نے جہاد کا سلسلہ جاری رکھا کیونکہ وہ کفار کو اس طرح نشانہ بنانے کی پوزیشن میں تھے کہ اس کی زد میں کوئی بے گناہ مسلمان نہ آئے اور ان کے جہاد کے نتیجہ میں کفار کو نقصان پہنچے اور وہ پریشان اور کمزور ہوں۔ ان کا یہ مقصد پورا ہو گیا اور کفار قریش نے مجبور ہو کر صلح حدیبیہ کی اس شرط کو جو انھوں نے لگائی تھی ازخود ختم کرنے کی درخواست کی۔ اس سے ہمیشہ کے لیے یہ بات ثابت ہو گئی کہ مسلمان کفار کی طرف سے کسی

مشکل میں پھنس جائیں اور مسلمان حکومتیں ان کی مدد نہ کر سکیں تو وہ اپنی مشکل کو حل کرنے کے لیے کفار کے خلاف وقت اور حالات کی مناسبت سے کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں حتیٰ کہ مسلح جہاد بھی کر سکتے ہیں۔ اس جہاد میں صرف ایک ہی شرط ہے کہ اس کے نتیجے میں ایسے لوگوں کی خونریزی نہ ہو جو کفار کے ظلم و جبر میں شریک اور ان کے حامی و مددگار نہ ہوں۔ صادق الایمان لوگوں کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچے۔ سورۃ فتح (آیت ۵۲) میں ہے "اور اگر مکہ میں اہل ایمان نہ ہوتے تو کافروں کو ہم دردناک سزا دیتے"۔ افغانستان' کشمیر' فلسطین' بوسنیا' اراکان میں جو جہاد ہوا ہے یا ہو رہا ہے' اس کے بارے میں مذکورہ تمام بنیادیں تقاضا کرتی ہیں کہ کفار کے زیر قبضہ ممالک میں جاری جہاد صحیح ہو۔

(۲) اللہ تعالیٰ ہمارے فقہا کو جزائے خیر دے۔ انھوں نے کسی بھی معاملے میں علمی خلا نہیں چھوڑا۔ تمام فقہاے اسلام نے بالاتفاق فتویٰ جاری کر دیا ہے کہ جو علاقہ ایک مرتبہ دارالاسلام بن گیا ہو' پھر اس کے بعد کفار اس پر چڑھائی کر لیں تو علاقے کے تمام لوگوں' مردوں اور عورتوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ اگر وہ مقابلے کے لیے کافی نہ ہوں تو پھر ساتھ والوں پر بھی یہ جہاد فرض ہو جاتا ہے اور اس طرح سے اگر سارے عالم اسلام کی فوج اور افراد اور مادی قوت کے بغیر دفاع ممکن نہ ہو تو سارے عالم اسلام پر اس ملک کا دفاع فرض ہو جاتا ہے۔ اگر کفار کسی مسلم علاقے پر غاصبانہ قبضہ کر لیں تو پھر آزادی حاصل کرنے کے لیے اسی ترتیب سے جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ قرآن و حدیث اور فقہی مصادر کے حوالے سے ارشاد فرماتے ہیں کہ "یہ حفاظت دین اور مدافعت دیار اسلام کا حکم ایسا سخت ہے کہ جب کوئی قوت اسلام کو مٹانے اور اسلامی نظام کو فنا کرنے کے لیے حملہ آور ہو تو تمام مسلمانوں پر فرض عین ہو جاتا ہے کہ سب کام چھوڑ کر اس کے مقابلے پر نکل آئیں اور جب تک اسلام اور اسلامی نظام کو اس خطرے سے محفوظ نہ کر لیں اس وقت تک چین نہ لیں۔ چنانچہ فقہ کی تمام کتابوں میں یہ حکم موجود ہے کہ جب دشمن دارالاسلام پر حملہ کرے تو ہر مسلمان پر فرداً فرداً دفاع کا فرض ایسی قطعیت کے ساتھ عائد ہو جاتا ہے جیسے نماز اور روزہ۔ فقہ کی مشہور کتاب بدائع الصنائع میں لکھا ہے: "مگر جب اعلان عام ہو جائے کہ دشمن نے ایک اسلامی ملک پر حملہ کر دیا ہے تو پھر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے اور ہر مسلمان پر جو جہاد کی قدرت رکھتا ہو فرداً فرداً اس کی فرضیت عائد ہوتی ہے۔ نفیر عام ہونے کے بعد تو اداے فرض کا حق بغیر اس کے پورا ہوتا ہی نہیں کہ سب کے سب جہاد کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ اس وقت وہ سب مسلمانوں پر فرض عین ہو جاتا ہے جیسے روزہ اور نماز۔ پس غلام کو بغیر آقا کی اجازت کے اور عورت کو بغیر اپنے شوہر کی اجازت کے نکلنا چاہیے کیونکہ ان عبادات میں جو فرض عین ہیں' غلام اور بیوی کی خدمات' آقا اور شوہر کی خدمات سے مستثنیٰ ہیں جیسے نماز اور روزہ۔ اسی طرح بیٹے کے لیے مباح ہو جاتا ہے کہ وہ بغیر والدین کی اجازت کے نکل کھڑا ہو کیونکہ روزہ' نماز جیسی فرض عبادات ہیں ان پر والدین کا حق اثر انداز نہیں ہو سکتا" (جلد ۲' ص

۹۸)۔ بان ھجم العدو وعلی بلد کے الفاظ صاف طور پر بتا رہے ہیں کہ یہ فرضیت عینہ صرف اسی صورت پر موقوف نہیں ہے کہ خاص مذہبی جذبے سے متاثر ہو کر کوئی قوم اسلام کو مٹا دینے پر آمادہ ہو جائے بلکہ حکومت اسلامیہ اور دیار اسلام پر یہ غاصبانہ حملے کے مقابلے میں مدافعت اسی قطعیت کے ساتھ فرض ہے۔ اسلام میں مسلمانوں کی زندگی کے لیے حریت و استقلال سب سے زیادہ ضروری چیز ہے۔ اپنی آزادی کھو دینے کے بعد صرف یہی نہیں کہ مسلمانوں میں انسانیت کی اس اعلیٰ خدمت کو ادا کرنے کی قوت باقی نہیں رہتی جسے ادا کرنے کے لیے وہ پیدا کیے گئے ہیں بلکہ وہ اپنے شرعی نظام کو قائم رکھنے کے قابل بھی نہیں رہتے جس پر ان کی مذہبی زندگی کا دارومدار ہے۔ اس لیے اسلامی حکومت اور اسلامی قومیت پر حملہ کرنا دراصل عین اسلام پر حملہ کرنا ہے اور خواہ کسی دشمن کا مقصد اسلام کو مٹانے کا نہ ہو' بلکہ محض مسلمانوں کی سیاسی قوت ہی کو مٹانا ہو' تب بھی اس سے جنگ کرنا مسلمانوں کے لیے ویسا ہی فرض ہو گا جیسے کہ اسلام کو مٹانے والے سے جنگ کرنا ہے۔ اسی وجہ سے صرف اس شہر یا اس ملک ہی کے مسلمانوں پر دفاع کا فرض عائد نہیں کیا گیا جس پر حملہ کیا گیا ہو بلکہ اگر وہ اپنی مدافعت سے عاجز ہوں تو روئے زمین کے تمام مسلمانوں پر لازم کر دیا گیا ہے کہ وہ ملک یا شہر کے مسلمانوں کو غلبہ اعدا سے بچائیں جیسا کہ صاحب بدائع الصنائع کے اس قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ یفترض علی کل واحد من احاد المسلمین اور لا یتحقق القیام به الا بالکل۔ صاحب نہایہ نے ذخیرہ سے اسی کی تفصیل ان الفاظ میں نقل کی ہے: "پھر ان لوگوں پر جو ان سے قریب ہوں' پھر ان پر جو ان سے قریب ہوں یہاں تک کہ از شرق تا غرب تمام اہل اسلام پر اسی تدریج کے ساتھ فرض ہوتا چلا جاتا ہے"۔

ان صورتوں کو نقل کرنے کے بعد مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں: "اسلام میں دفاع کے اس اہم فرض کی جو حیثیت ہے اس کا اندازہ صرف اسی سے نہیں ہوتا کہ اسے ایک عبادت اور فرض عین کا درجہ دیا گیا ہے اور اس کی فضیلت نماز روزے سے بھی زیادہ بتائی گئی ہے۔ بلکہ سورۃ توبہ کی ان آیات سے جو غزوہ تبوک کے بارے میں نازل ہوئی ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی قوت اسلام اور مسلمانوں کے استقلال قومی کو مٹانے کے لیے حملہ آور ہو اور نفیر عام ہو جائے تو اس وقت یہ ایمان کے صدق و کذب کی کسوٹی بن جاتا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں کے متعلق جنھوں نے رومیوں کی زبردست طاقت و سلطنت کے مقابلے پر حفاظت اسلام کے لیے جنگ میں جانے سے جی چرایا تھا اور جن کی ایمانی کمزوری کو دیکھ کر آنحضرتؐ نے انھیں گھر بیٹھے رہنے کی اجازت دے دی تھی' یہ فرمایا گیا: اے محمدؐ خدا تمھیں معاف کرے تم نے انھیں کیوں گھر بیٹھ رہنے کی اجازت دے دی' تمھیں چاہیے تھا کہ اجازت نہ دیتے تاکہ تم پر وہ لوگ بھی ظاہر ہو جاتے جو سچے ہیں اور ان کا حال بھی معلوم ہو جاتا جو جھوٹے ہیں' وہ لوگ جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور جنھیں یوم قیامت کے آنے کا یقین ہے' تم سے ہرگز رخصت نہ مانگیں گے کہ اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد نہ کریں۔ اللہ ان متقیوں

سے خوب واقف ہے' یہ رخصت تو تم سے وہی لوگ طلب کریں گے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخرت کے آنے کا یقین' ان کے دلوں میں شک پڑگیا ہے۔ اس لیے وہ اپنے شک ہی (میں متردد) ہو رہے ہیں (التوبہ ۴۴ تا ۵۴) (**الجہاد فی الاسلام' ص ۶۱ تا ۶۵**)۔

پس کشمیر اور دوسرے ممالک کو' جن پر کفار نے غاصبانہ قبضہ کیا ہے' اس اصول کی بنا پر کہ وہ مسلمان ممالک ہیں جن پر کفار نے قبضہ کیا ہوا ہے اور جو ممالک ایسے ہوں انھیں جہاد کے ذریعے آزاد کروانا درجہ بدرجہ تمام لوگوں پر فرض ہوتا ہے' کی بنا پر آزاد کروانا اولاً کشمیری مسلمانوں پر اس کے بعد پاکستان' اس کے بعد دوسرے ممالک اور ضرورت پڑے تو سارے عالم اسلام پر فرض ہے۔ اب اگر پاکستان اور عالم اسلام اپنی بزدلی' کمزوری' نااہلی اور حکمرانوں کی لادینیت کی وجہ سے کشمیر اور دوسرے مقبوضہ مسلمان ممالک کو آزاد کرانے کے لیے جہاد میں حصہ نہیں لیتے اور کشمیری مسلمان اپنے حالات کے مطابق جرات اور شجاعت اور شہادت کی داستانیں رقم کر رہے ہیں' تو لادین حکمرانوں سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر فقہا کے مقابلے میں علم کے کچھ دعویدار لوگ ان کے جہاد کو فساد قرار دے رہے ہیں اور بلا علم و تحقیق جہاد کو فساد قرار دے کر مجاہدین کی پیٹھوں میں خنجر گھونپ رہے ہیں۔

(۳) مسلمان ملک کی آزادی کے لیے جہاد کی ضرورت کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی رہنمائی ملتی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا گیا وہ بھی شہید ہے جو اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہو گیا وہ بھی شہید ہے اور جو اپنے گھر کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا گیا تو وہ بھی شہید ہے" (**کنز العمال**)۔

جہاد کشمیر کو فساد قرار دینے والوں سے پوچھیے کہ اگر ان کے گھر پر ڈاکو حملہ کر دیں' یا ان کے گھر پر غاصبانہ قبضہ کر لیں تو کیا گھر کے دفاع یا گھر کو ڈاکوؤں سے آزاد کرانے کے لیے طاقت استعمال کرنا فساد ہو گا؟ کیا صرف اسلام آباد کے قصر صدارت اور وزارت یا اسی طرح حکمرانی کے مناصب پر فائز لوگ ہی اپنے دفاع کا حق رکھتے ہیں یا ہر آدمی اپنے دفاع کا حق رکھتا ہے؟ ظاہر بات ہے کہ اپنے گھر کی حفاظت اور آزادی صرف اقتدار اور اہل اقتدار کا حق نہیں بلکہ ہر آدمی کا حق ہے۔ اس طرح ہر ملک کے باشندوں کا حق ہے کہ وہ اپنے ملک پر دوسروں کو قبضہ نہ کرنے دیں۔ کیا انگریزوں کے خلاف جہاد اور تحریک آزادی فساد تھا؟ برصغیر کی تقسیم کی تو بنیاد ہی یہ اصول تھا کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے' وہ مسلمانوں کے ہیں اور جن علاقوں کی اکثریت ہندو ہے' وہ ہندوؤں کے ہیں۔ بھارت نے اس اصول کو نظرانداز کر کے کشمیر پر طاقت کے زور سے قبضہ کر لیا اور جب جہاد کے ذریعے اسے آزاد کرانے والے جہادی دستے سری نگر تک پہنچ گئے اور قریب تھا کہ کشمیر فتح ہو جاتا تو بھارت نے اقوام متحدہ کے ذریعے جنگ بند کروا دی۔ اقوام متحدہ نے قرارداد پاس کی کہ کشمیر میں اس کی زیر نگرانی رائے شماری ہو گی۔ بھارت نے اس قرارداد کو وقتی طور پر مان لیا' لیکن

اس نے بتدریج اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بھارت کا حصہ بنالیا' اسے اپنا اٹوٹ انگ قرار دے دیا اور رائے شماری سے منکر ہو گیا۔ بھارت منکر ہے اور اقوام متحدہ منافقت کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ ایسی صورت میں اس کے سوا کیا چارہ رہ جاتا ہے کہ حق دار اپنے زور بازو سے اپنا حق حاصل کرے۔ ایسی صورت میں بھارت غاصب ممالک یا اقوام متحدہ کیا اخلاقی جواز رکھتے ہیں کہ وہ ان جہادی تحریکوں کی مخالفت کریں۔ اگر بھارت اور امریکہ اپنی طاقت کے بل بوتے پر ناحق کو حق اور حق کو ناحق قرار دینے میں لگے ہوئے ہیں تو پھر مسلمانوں کے لیے اس کے سوا اور کون سی راہ ہے کہ وہ بھی طاقت کے استعمال کا راستہ اختیار کریں۔

(۴) اب تو ساری دنیا قوموں کے حق آزادی کو تسلیم کر رہی ہے اور اس کے لیے تحریک چلانے اور قوت استعمال کرنے کو جائز قرار دے رہی ہے۔ ابھی کل کی بات ہے کہ افغانستان نے روسی فوجوں کے غاصبانہ قبضے سے افغانستان کو آزاد کرانے کے لیے جہاد شروع کیا تو صرف دنیاے اسلام نہیں بلکہ ساری دنیا نے اس جہاد کو سراہا اور اس کی مالی اور اخلاقی مدد کی۔

(۵) نبیؐ نے فرمایا کہ میں نے اپنی امت کے حق میں تین دعائیں فرمائی ہیں جن میں سے دو قبول ہو گئیں اور ایک قبول نہ ہوئی۔ پہلی دعا یہ ہے کہ پروردگار میری امت کو بھوک اور اسی طرح کی آفات سماویہ کے ذریعے ہلاک نہ کرنا' اللہ نے میری یہ دعا قبول فرمائی۔ دوسری یہ کہ پروردگار میری امت پر باہر کے دشمنوں کو مسلط نہ کر دینا' میری یہ دعا بھی قبول ہو گئی۔ تیسری دعا یہ کی کہ پروردگار وہ آپس میں باہم دست و گریباں نہ ہوں' اللہ تعالیٰ نے میری یہ دعا قبول نہ کی۔

جب آپ کی یہ دعا قبول ہو گئی کہ آپ کی امت پر ان کا دشمن مسلط نہ ہو' تو اس کی یہی صورت ہو گی کہ اولاً کفار مسلمان ملکوں پر قبضہ نہ کر سکیں گے۔ لیکن بالفرض قبضہ کر لیا تو اسے زیادہ عرصے تک قائم نہ رکھ سکیں گے۔ اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ مقبوضہ علاقوں کے مسلمان آزادی کی اور جہادی تحریکیں برپا کریں اور جان و مال کی قربانیاں دے کر آزادی حاصل کریں۔ اگر نیم ملا قسم کے لوگوں کے فتووں کی عمل داری ہوتی یا غلام احمد قادیانی کی نبوت کا راج ہوتا تو پھر مسلمان انگریز اور ہندوؤں کے سایے تلے زندگی بسر کر رہے ہوتے اور غلامی کا طوق ان کی گردنوں کی زینت ہوتا۔ لیکن پہلے اللہ کے فضل سے ایسا نہیں ہوا اور ان شاء اللہ آیندہ بھی نہیں ہو گا۔ پہلے بھی مسلمانوں نے جہاد کی آواز پر لبیک کہا اور آیندہ بھی لبیک کہتے رہیں گے تا آں کہ دنیا میں اسلام غالب ہو جائے اور اللہ کا دین ساری دنیا کا دین بن جائے (آمین)۔

ان پانچ وجوہ سے جہاد کشمیر اور دوسری جہادی تحریکیں نہ صرف جائز ہیں بلکہ وہ اسلام اور اس دور کا تقاضا اور خصوصیت ہیں۔ اسے فساد قرار دینے والے لوگ اسلام اور اس تقاضے کو نہیں سمجھ سکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اپنی صلاحیتوں کو منفی کاموں کی بجائے مثبت طور پر استعمال کرنے کی توفیق دے اور کتاب و سنت اور اجماع امت کی راہ سے ہٹ کر چلنے سے بچائے (آمین) (مولانا عبدالمالک)۔

عام تقسیم کے لیے

حج کے موقع پر

خرم مرادؒ کی دو تحریریں

(۱) حج وداع کی داستان

قیمت: ۵۰/۵ روپے ۔ -/۵۰۰ روپے سیکڑہ

(۲) حاجی کے نام

۳/۵۰ روپے ۔ -/۲۵۰ روپے سیکڑہ

حج پر جانے والے اعزہ و احباب کو تحفہ دیجیے

○

پروفیسر خورشید احمد کی دو تحریریں

(۱)

نئی حکومت کے لیے

قومی ترجیحات کا چیلنج

قیمت: -/۲ روپے ۔ -/۱۵۰ روپے سیکڑہ

(۲)

اتوار کی چھٹی

امریکہ کے تحت عالمی نظام کی طرف ایک اور پسپائی

قیمت: -/۲ روپے ۔ -/۱۲۵ روپے سیکڑہ

ڈاک خرچ بذمہ خریدار

دیگر ۳۵ کتابچوں کی تفصیلات کے لیے

منشورات

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور 54570، فیکس: 042-7832194

کتاب نما

تعلیم میں بیرونی معاونت، حقائق، نتائج، راہ عمل۔ مرتب: سلیم منصور خالد۔ ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، مرکز ایف سیون، اسلام آباد، صفحات: ۴۵۴۔ قیمت: ۲۵۰ روپے۔

"بیرونی امداد" دو الفاظ پر مشتمل ایک معصوم سی ترکیب ہے مگر گذشتہ نصف صدی میں، مختلف ملکوں اور قوموں نے بحیثیت مجموعی اس تدبیر و ترکیب کا ساہوکارانہ رنگ ہی دیکھا ہے (الا ماشاء اللہ)۔ لاطینی امریکہ، افریقہ اور ایشیا کے ترقی پذیر ملکوں کو اس سودی امداد نے دو طرفہ متاثر کیا، اول: ان کی معیشت کو دم نہ لینے دیا، ان کی رائے پر اپنی خواہش کو ٹھونسا گیا۔ اس عمل نے معاشی، سماجی اور بین الاقوامی اعتبار سے انھیں دائمی پسماندگی سے دوچار کر دیا اور رفتہ رفتہ ان کا سیاسی اقتدار اعلیٰ داؤ پر لگ گیا۔ پاکستان بھی عرصے سے اسی نحوست کی زد میں ہے اور اس کے سائے لمبے ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

پاکستان نے پچھلے چار عشروں کے دوران میں بڑے پیمانے پر بیرونی قرضے حاصل کیے ہیں۔ اس امداد سے بلاشبہ کچھ تعمیری منصوبے بھی پایہ تکمیل کو پہنچے، لیکن بیشتر رقوم، قرض دہندوں کی اپنی ترجیحات کے مطابق خرچ ہوئیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ بیرونی آقاؤں کی ترجیحات اور پاکستان کے زمینی حقائق میں بعد المشرقین ہے۔ زیر تبصرہ کتاب اس عمل کے گہرے مطالعے اور مشاہدے کا ٹھوس ثبوت ہے۔ بیرونی امداد دہندوں نے دیگر شعبہ جات کی طرح، پاکستان کے تعلیمی پروگرام کے لیے بھی کچھ امداد فراہم کی، اس کی حقیقت کو جاننے کے لیے یہ ایک مفید کتاب ہے۔

اس کتاب میں ۲۹ افراد نے پاکستان کے تعلیمی نظام میں بیرونی مالی معاونت کے مضمرات کا جائزہ لیتے ہوئے، پاکستان کی پچاس سالہ تعلیمی زندگی کے المیے کو اجاگر کیا ہے۔ مقالہ نگاروں میں پاکستان کے منتخب قومی نمایندے، چوٹی کے ماہرین تعلیم، قابل قدر دانش ور، فوج کے اعلیٰ مناصب پر فائز سابق ملازم، اور عالمی اقتصادی اداروں میں پاکستان کی نمایندگی کرنے والے سول ملازم شامل ہیں۔ جملہ مقالات میں حقیقت پسندی، غیر جذباتی استدلال، سائنٹی فک سوچ اور قومی درد مندی کی لہر دکھائی دیتی ہے۔ اہم تر بات یہ ہے کہ ان میں محض تنقید یا خود احتسابی کی تکرار نہیں، بلکہ قوم کو بیرونی امدادی کلچر سے نجات پانے کے لیے عملی تجاویز کی روشنی بھی عطا کی گئی ہے۔ بلاشبہ یہ مطالعہ مسلم دنیا میں ہونے والی تحقیق و تالیف میں منفرد درجہ رکھتا ہے۔

آج پاکستان میں، بیرونی امداد سے نجات پانے اور کشکول توڑنے کے جو دعوے کیے جا رہے ہیں، اگر واقعی ان میں نعرہ بازی کے بجائے حقیقت کا رنگ پایا جاتا ہے تو پھر یہ کتاب پاکستان کے پالیسی سازوں اور

حکمرانوں کو گہرا قومی شعور اور عملی راستہ دکھانے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ وگرنہ گھاس کھانے' کشکول توڑنے' مکے دکھانے اور ہزار سال تک جنگ لڑنے کے تمثیلی پروگرام کچھ پہلے بھی کم نہیں ہوئے۔ نج کاری اور این جی اوز کلچر کی دلدل میں اترنے کے لیے ہمیں اپنے آس پاس جو بے تابی دکھائی دے رہی ہے' اس جانب قدم اٹھانے سے قبل تنبیہ کے اس معلمانہ درس سے سبق ضرور سیکھنا چاہیے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس امدادی رزق نے ہماری پرواز فکر و عمل کو موت کا روگ لگا دیا ہے' اسی لیے علامہ اقبال کوتاہی پرواز سے بچنے کی تلقین کرتے رہے۔

یہ کتاب انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز کے زیر اہتمام منعقدہ ایک قومی سیمینار کے مقالات' مباحث اور سفارشات پر مشتمل ہے۔ بیرونی قرضوں کی درجہ بندی' امدادی رقوم کی آمد اور خرچ کی تفصیل کو متعدد گوشواروں اور گرافوں کے ذریعے اجاگر کیا گیا ہے۔ اس چیز نے کتاب کی استنادی حیثیت کو پختہ کیا ہے۔ سیمینار میں شریک ۱۱۹ شرکا نے جو متفقہ تفصیلی سفارشات مرتب کیں' وہ سیمینار اور اس کتاب کی روح ہے۔ ان سفارشات میں سفال "پاک" سے مینا و جام پیدا کرنے کا لائحہ عمل تجویز کیا گیا ہے اور تعلیم میں خود انحصاری کی راہ دکھائی گئی ہے۔ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اس قیمتی دستاویز پر اہل وطن کے شکریے کا مستحق ہے۔ **(مسلم سجاد)**

جدید فقہی مسائل: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی۔ ناشر: حرا پبلی کیشنز' اردو بازار' لاہور۔ صفحات: ۴۴۰۔ قیمت: ۷۵ روپے۔

تغیر و تبدل ایک ناقابل تردید کائناتی حقیقت ہے۔ بقول علامہ اقبال: ثبات اک تغیر کو ہے زمانے میں ---- رواں صدی' خصوصاً نصف آخر میں سائنسی' تمدنی اور معاشرتی احوال و ظروف نے مختلف النوع تبدیلیوں کی رفتار تیز تر کر دی ہے۔ جدید ذرائع ابلاغ' نیز صنعتی' فکری اور رسل و رسائل سے متعلق انقلابی تبدیلیوں کی وجہ سے کچھ ایسے مسائل سامنے آئے ہیں جن کا فقہی اور شرعی حل ضروری ہے۔ عبادات' معاشرت' معاملات' معاشیات اور سیاست سے متعلق اسلامی ملکوں میں طرح طرح کے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ شریعت اسلامیہ میں اجتہاد کا ادارہ انھی مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لیے قائم ہے۔ زوال و انحطاط کے دور میں اس ادارے سے خاطر خواہ کام نہیں لیا جا سکا' کیوں؟ کیا اہل نظر اور صاحب الرائے رکھنے والے علما کی کمی تھی؟ بظاہر تو یہ درست نظر آتا ہے:

اجتہاد اندر زمان انحطاط قوم را برہم ہمی پیچد بساط
ز اجتہاد عالمان کم نظر اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر

مگر علامہ اقبال کا یہ نقطہ نظر اوائل عمر کا تھا۔ بعد ازاں انھوں نے اجتہاد پر غیر معمولی زور دیا۔ اسلامی فقہ و قانون کے عظیم الشان ذخیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دور حاضر کے علما نے بھی جدید فقہی مسائل کے حل

پیش کیے ہیں مثلاً "حوادث الفتاویٰ" (مولانا اشرف علی تھانویؒ)، "آلات جدیدہ کے شرعی احکام" (مولانا مفتی محمد شفیعؒ) "نظام الفتاویٰ" (مولانا نظام الدینؒ) "رسائل و مسائل" (مولانا مودودیؒ اور ملک غلام علیؒ)، "احکام المسائل" (مولانا مفتی سیاح الدین کاکاخیلؒ) وغیرہ۔

زیر نظر کتاب بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے جسے دارالعلوم سبیل السلام حیدر آباد دکن کے مولانا رحمانی نے مرتب کیا ہے۔ زیر بحث مسائل میں بڑا تنوع ہے، مثلاً: قرآنی آیات کے کیسٹ بے وضو چھونا، مسجدوں میں قمقمے، تزین وغیرہ کی دیواروں میں تیمم، بنکوں سے لین دین، زکوٰۃ کے مسائل، ٹیلی فون کے نکاح، ٹیسٹ ٹیوب سے تولید، اعضا کی پیوند کاری، مسجد کے نیچے دکان کی تعمیر، محراب میں تصویر اور بزرگوں کے نام، بھوک ہڑتال، انشورنس، صابن میں ناپاک اشیا ڈالنا، کبوتر و پتنگ بازی، بوے وسٹم، ننگے سر نماز وغیرہ۔

مولانا رحمانی نے محدثین اور فقہا سے استدلال کرتے ہوئے اور بسااوقات ان کے حوالے دیتے ہوئے بڑی وسعت نظر، احتیاط اور اعتدال و توازن سے مسائل کا حل پیش کیا ہے۔ جوابات عام فہم زبان میں ہیں اور عام طور پر مختصر اور جامع ہیں۔ تاہم بعض موضوعات پر مباحث، حسب ضرورت طویل مگر عالمانہ ہیں اور اسناد بھی بکثرت ہیں خصوصاً کتاب کے نصف آخر میں۔ کتاب کی ایک خوبی یہ ہے کہ مولانا رحمانی نے اپنی کسی رائے پر اصرار نہیں کیا اور انھیں فتاویٰ کی بجائے تجاویز کی صورت میں پیش کیا ہے اور اپنی "تجاویز" میں اور غلطی کے امکان کو رد نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کے طبع اول کے بعد انھوں نے اپنی بعض آرا سے رجوع کر لیا۔ کتاب کے شروع میں متعدد علمائے کرام کی تقاریظ شامل ہیں جن میں زیر نظر کوشش کو سراہا گیا ہے، مثلاً: "یہ کتاب اس کی مستحق ہے کہ ہر مسلمان کے گھر میں رہے اور اس سے فائدہ اٹھایا جائے" (مولانا سید منت اللہ رحمانی)۔ مولانا ابو الحسن علی ندوی نے اسے ایک "قابل قدر کام اور فقہ اسلامی کی اچھی خدمت" قرار دیا ہے۔ (رفیع الدین ہاشمی)

The Crisis of the Political System in Pakistan and the Jammat -e- Islami. پروفیسر خورشید احمد۔ ناشر: سیکریٹری اطلاعات جماعت اسلامی پاکستان، منصورہ، لاہور۔ صفحات: ۹۴۔ قیمت: درج نہیں۔

پاکستان کی سماجی، سیاسی اور معاشی زندگی میں مثبت اور بنیادی تبدیلیوں کے لیے جماعت اسلامی طویل عرصے سے جدوجہد میں مصروف ہے۔ قید و بند اور تشدد کی صعوبتوں اور شہادت گہہ الفت کی وادیوں سے گزرنے والے اس قافلے نے، پابندیوں اور خانہ ساز الزام تراشیوں کا ایک جنگل صاف کیا ہے، پھر بھی الزام و اتہام کا اسے ہر دم سامنا کرنا پڑا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں مصنف نے پاکستان کے سیاسی ماحول سے متعارف کرایا ہے۔ دوسرے باب میں، جماعت اسلامی پاکستان کی اس جدوجہد پر روشنی ڈالی گئی ہے، جو اس

نے پیپلز پارٹی کی، بے نظیر حکومت کے خلاف چلائی۔ تیسرے باب میں پیپلز پارٹی کے غیر جمہوری چہرے کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ چوتھے باب میں بے نظیر حکومت کی برطرفی پر ملکی اور غیر ملکی رسائل و جرائد کی آرا کو ریکارڈ پر لایا گیا ہے۔ پانچویں باب میں جماعت اسلامی پاکستان کے اہداف، مقاصد اور حکمت عملی کو بیان کیا گیا ہے۔

اگرچہ یہ کتاب بے نظیر حکومت کی برطرفی (۵ نومبر ۹۶) کے کچھ ہی دنوں بعد شائع ہوئی، تاہم اس میں اٹھائے جانے والے نکات مسلم لیگ کی نواز شریف حکومت (۱۷ فروری ۹۷) کے لیے بھی اتنے ہی اہم ہیں۔ پاکستان کے سیاسی تمدن میں راہ پانے والی سیاسی حماقتوں، خود فریبیوں اور آمرانہ حرکتوں کا یہ دفتر آنے والے دنوں میں حکمرانوں کے لیے ایک تنبیہ ہے۔

جماعت اسلامی کے لیے ملک کی سیاسی اور مقتدر قوتوں کے ہاں جو انقباض پایا جاتا ہے، اور پھر اس اظہار کے لیے جو اوچھے ہتھکنڈے استعمال میں لائے جاتے ہیں، ان میں سب سے بڑے الزام دو ہی ہوتے ہیں، اول: تحریک پاکستان میں عدم شمولیت، دوم: غیر جمہوری جدوجہد۔ دونوں الزام اپنی اصل کے اعتبار سے بے بنیاد، مگر ہر حکمران کی پراپیگنڈا مشینری کے چلتے پرزے ہیں۔ مصنف نے جماعت کے دھرنا مارچ کے حوالے سے حکومتی اور اخباری پراپیگنڈے کا مسکت جواب دیا ہے، اور ضمیمے میں جماعت اسلامی اور تحریک اسلامی پاکستان کے موضوع پر مختلف تحقیق کاروں کا نتیجہ تحقیق پیش کرتے ہوئے، دوسرے الزام کی حقیقت کو واضح کیا ہے۔ خاص طور پر، انگریزی رسائل و جرائد اور غیر ملکی مصنفین کے ہاں جماعت اسلامی کو "بنیاد پرستی" سے متہم کرتے ہوئے بڑی غلط تصویر پیش کی جاتی ہے۔ یہ کتاب ایسے حلقوں میں حقیقت حال کے ابلاغ کا ذریعہ بن سکتی ہے، بشرطیکہ اسے ان تک پہنچایا جائے۔ (سلیم منصور خالد)

آسان دعائیں، شعبہ حج، جماعت اسلامی، کراچی۔ ملنے کا پتا: ۵۰۳ شکارپور کالونی، نزد اسلامیہ کالج، کراچی۔ جیبی سائز۔ صفحات: ۳۲۔ ہدیہ: ۱۵ روپے۔

حجاج کرام کے لیے، اذکار اور دعاؤں کا یہ مجموعہ، حج سے متعلق چند ضروری دعاؤں کے علاوہ بیشتر عام قرآنی دعاؤں پر مشتمل ہے۔ طواف و سعی کے دوران حجاج کرام مخصوص دعاؤں کے پابند نہیں ہوتے۔ یہ اذکار بہ آسانی یاد کر کے، ورد زبان ہو سکتے ہیں۔ جماعت اسلامی کراچی کی یہ خدمت لائق تحسین ہے لیکن بہت "قیمتی" ہے۔ (م۔س)

مدیر کے نام

نصرت شاہین ' لاہور

اشارات (فروری' مارچ ۹۷) فکر و نظر کی پختگی اور وسعت کے لیے ہمیشہ کی طرح اب بھی مفید محسوس ہوئے۔ خرم مراد صاحب کی رحلت کے بعد ترجمان کے مستقبل کے بارے میں جو خدشات تھے' الحمدللہ وہ رفع ہو گئے۔

فیض محمد بلوچ ' کوئٹہ

صوری اور معنوی دونوں لحاظ سے جاذب نظر' جاذب دل' روح پرور اور مقصدیت سے بھرپور ہوتا ہے۔ تمام مضامین وسعت ذہن' وسعت نظر اور وسعت قلب پیدا کرتے ہیں۔ مختصر اقتباسات' ہدایات' مشورے خاص طور پر پسند آتے ہیں۔

اسحاق منصوری ' کراچی

معیار مسلسل بہتر ہو رہا ہے۔ خرم مراد بھائی کی وصیت کئی بار پڑھی۔ ذاتی اصلاح و تربیت کے لیے بے پایاں خزینہ ہے۔ "کتاب نما" خاص طور پر پسند ہے۔ کئی اچھی کتب سے ناقدانہ تعارف ہو جاتا ہے۔

غلام ربانی ' مانسہرہ

وصیت خرم میں اتنا اثر و خلوص تھا کہ ہر سطر پر نظر جم جاتی اور ہر لفظ مرقع زریں محسوس ہوا۔ معلوم ہوا کہ خانقاہوں میں بیٹھنے اور مخصوص لباس اور طرز کے بغیر بھی معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔ بہت سے بزرگوں کے وصایا موجود ہیں لیکن خرم مراد کی اپنی ہی ادا ہے۔

افتخار راجہ ' چکوال

مصری معیشت (فروری ۹۷) اچھی کاوش تھا۔ آیندہ بھی ایسی تحریریں شائع کیجیے تاکہ پتا چلے کہ یہ مالیاتی ادارے مسلم ممالک کو کس طرح کھوکھلا کر رہے ہیں۔ ایک ضرورت یہ بھی ہے کہ اسرائیل کے نظام حکومت' دفاع اور دیگر امور کے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم ہوں۔ مضامین میں حواشی' ماخذ اور مصادر کے لوازمات ضرور ہوں تاکہ رسالے کا معیار بین الاقوامی ہو۔

ابوداود ' لاہور

حجاب کے اندر (مارچ ۹۷) نہایت ایمان افروز' بصیرت افزا اور دلچسپ ہے۔ اللہ تعالیٰ پیدائشی مسلمانوں کو بھی دین حق پر باطل کے سامنے سر فخر سے بلند کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ پل کی تعمیر (مارچ ۹۷) میں آیت کے حوالے سے رجم کی سزا کا ذکر کیا گیا ہے (ص ۵۵) رجم کی سزا قرآن میں نہیں حدیث اور سنت میں منقول ہے۔ "دارالخلافہ" (ص ۴۶) کے بجائے "دارالحکومت" درست ہے۔ خلافت کے بغیر دارالخلافہ کیسے؟

بیرونِ ممالک ترجمان القرآن حاصل کرنے کے لیے رابطہ پتے:

MAKTABA KULLIAH ALHINSAH
JAMIATUL MALAE ABDUL AZIZ
P.O.BOX 9027 JIDDAH
SAUDI ARABIA

SAIFULLAH SANAI
P.O.BOX 9178
DAMMAM 31413
SAUDI ARABIA

ADAAB BOOK SHOP
P.O.BOX 287
MANAMA
BAHRAIN

ANAYAT HUSSAIN GHAURI
P.O.BOX 382
ABU DHABI
UAE

MANZOOR ILAHI
P.O,BOX 621
DUBAI
UAE.

MR.MUHAMMAD SALAHUDDIN
DARUL SAUDIA JAUHARIA
AL BAGHDADIA BUILDING
P.O.BOX 2043
JEDDAH-21451

UMER ABDUL AZIZ
755-EAST 9 STREET#.B.6.
BROOKLYN
NEW YORK-11230(U.S.A)
✆ (781)421-5428

ISLAMIC BOOK CENTER
120,DRUMMOND ST.
LONDON N.W.1 2HL
UK.

UK ISLAMIC MISSION
121,OAKLAND ROAD HANWELL
LONDON W7 2DT
UK.

UK ISLAMIC MISSION
401-403,ALUM ROCK ROAD
BIRMINGHAM B-8 3DT
UK.

UK ISLAMIC MISSION
19- CARRINGTON STREET
GLASGOW G4 9AJ
UK.

UK ISLAMIC MISSION
1 TYDFIL PALACE
ROTH PARK CARDIFF
SOUTH WALES UK.

SYED SHAUKAT ALI
DEPT. OF COMMUNICATIONS
INTL.ISL.UNI. P.O.BOX 70
JALANJAN 46700-PJ SELANGER
MALAYSIA

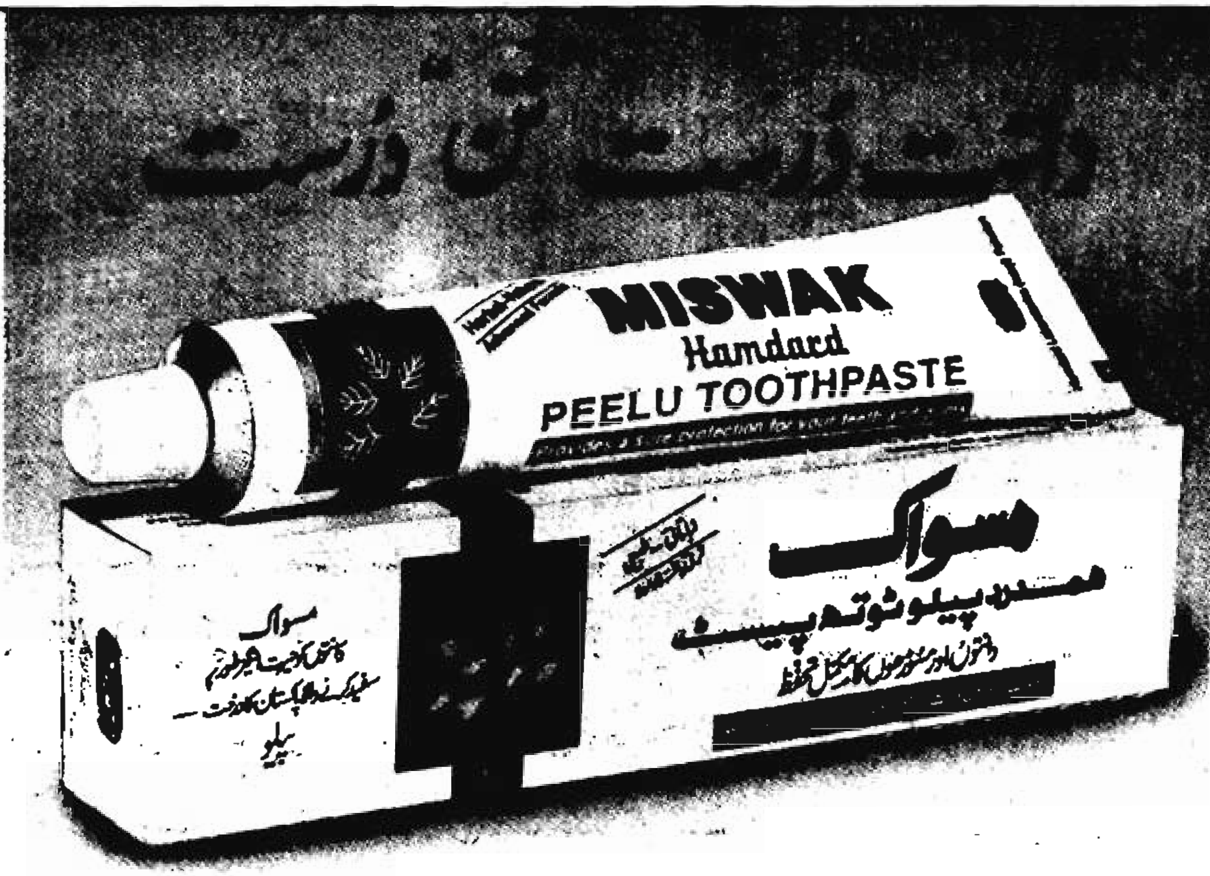
RAFAY SAMAN
423,BARA MUGH BAZAR
ELEPHANT ROAD DHAKA
BANGLA DESH

دیگر ملکوں میں بھی خواہشمند رابطہ کریں:

مینیجر ترجمان القرآن، ۵-اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور 54600 فون 042-7587916

حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز سے چھپوا کر ۵-اے ذیلدار پارک 'اچھرہ' لاہور سے شائع کیا

52



دانتوں کی صفائی اور مسوڑھوں کی صحّت کے لیے انتہائی موثّر نباتاتی

مسواک ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ

اچھی صحت کا دار و مدار صحت مند دانتوں پر ہے۔ اگر دانت خراب ہوں یا عدم توجہی کے باعث گر جائیں تو انسان دُنیا کی بہت سی نعمتوں اور لذّتوں سے لُطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ زمانۂ قدیم سے صحتِ دندان کے لیے انسان درختوں کی شاخیں بطور مسواک استعمال کرتا آیا ہے۔ ہمدرد نے تحقیق و تجربات کے بعد دارچینی، لونگ، الائچی اور صحتِ دہن کے لیے دیگر مفید نباتات کے اضافے کے ساتھ "مسواک ٹوتھ پیسٹ" تیار کیا ہے جو دانتوں کو صاف اور سفید رکھنے کے ساتھ مسوڑھوں کو بھی مضبوط، صحت مند اور محفوظ رکھتا ہے۔

سارے گھر کا ٹوتھ پیسٹ

مسواک ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ

مسواک کے قدرتی خواص صحتِ دنداں کی مضبوط اساس

ہمدرد

مدینۃ الحکمۃ تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ

Adarts-HMPT-22/95

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتبے کے لحاظ سے بدترین شخص وہ ہوگا جس نے دوسرے کی دنیا بنانے کی خاطر اپنی آخرت برباد کر دی۔

(ابن ماجہ)

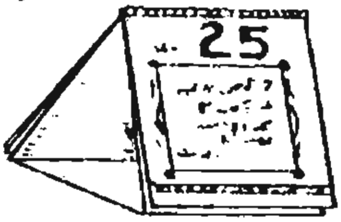
سمع و بصر
علی ہائٹس، 9 کمرشل زون
کریم بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
فون: 5411546
فیکس: 5419541

گفٹ سکیم
تعارف

SAMA-O-BASAR
سمع و بصر

رمضان المبارکؐ اور پھر عید کے موقع پر اپنے احباب اور ننھے بچوں کے لئے تحائف بھیجیں۔ ہر تحفہ کے ساتھ ایک تہنیتی کارڈ بھی آپ کے پیغام کے ساتھ بھیجا جائے گا۔

سدا بہار کیلنڈر، پانچ رنگوں میں، پُروقار، دیدہ زیب طباعت
31 صفحات، ہر صفحہ پر اردو ترجمہ قرآن / حدیث
ترتیب: پروفیسر مسلم سجاد
تدوین: پروفیسر عنایت علی خان
زرِ تعاون: 90 روپے



کتاب کہانی نمبر1، ایک کیسٹ کے ساتھ 4 خوبصورت کتابیں
بچوں کے لئے نئے انداز میں نئی کوشش، لفظ بہ لفظ
دلنشیں انداز، پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ
زرِ تعاون 85 روپے



دس آڈیو کیسٹ، خوبصورت گفٹ پیک میں، پسند آپکی اپنی،
ہمیں صرف عنوانات بتا دیں، تحفہ بھی، تعلیم بھی۔ زرِ تعاون 225 روپے



VHS ویڈیو کیسٹ، نیشنل جاپان، گفٹ پیک میں، ہماری فہرست سے عنوان پسند کریں۔
تحفہ بھیجنے کا نیا انداز
زرِ تعاون: 200 روپے

تفصیلات کے لئے رابطہ کیجئے:
زرِ تعاون بذریعہ بنک ڈرافٹ، منی آرڈر یا نقد وصول کیا جائے گا۔ چیک کی صورت میں چیک کیش ہونے پر تحفہ روانہ کیا جائے گا۔

REGD. NO. L 5340 PHONES : 7587916
7585590
MONTHLY **TARJUMAN-UL-QURAN** LAHORE

